استعراجِ نفس

جلد اول (دفتر اول و دوم)

ماخوذ از مثنوی مولانا رومیؒ

تشریح۔ ملک محمد عثمان

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

رَّبِّ زِدۡنِى عِلۡمًا

میرے پروردگار! مجھے علم میں اور ترقّی عطا فرما

چند خوانی حکمت یونانیاں
حکمت ایمانیاں راہم بخواں !

حضرت مولانا رومیؒ

تم کب تک یونانیوں کا فلسفہ پڑھتے رہو گے،
کبھی حکمتِ قرآنی اور حکمت ایمانی بھی تو پڑھو!

جُملہ حقوق بحقِ **دار الحکمۃ الخالدیہ** محفوظ ہیں۔ پیشگی تحریری اجازت کے بغیر اس کتاب کو مکمل یا جزوی طور پر کسی بھی شکل میں اشاعت کرنا منع ہے۔

استعراجِ نفس
جلد اول (دفتر اول و دوم)
ماخوذ از مثنوی مولانا رومیؒ
تشریح: ملک محمد عثمان

کتاب کا نام : استعراجِ نفس جلد اوّل

مصنف : ملک محمد عثمان

ادارت : محمود انور

پہلا ایڈیشن : جولائی 2024

ISBN : ISBN 978-627-7523-07-7

دار الحکمۃ الخالدیہ

مکان نمبر 91 ویلی ویو روڈ رفیع بلاک فیز 8 بحریہ ٹاؤن راولپنڈی

صدر: ملک محمد عثمان

نائب صدر: محمود انور

info@dhk.com.pk & admin@dhk.com.pk

www.dhk.com.pk

darulhikmatulkhalidiya@

https://youtube.com/channel/UC8aUqamHhZjCD-vT7gzisg

+92-336-5920218, +92-315-6468475

پیش لفظ

الحمد اللہ یہ مثنوی حضرت مولانا رومیؒ کی چھ جلدوں میں سے پہلی دو جلدوں کی حکایات اور مضامین کی سلیس شرح ہے۔ اس کتاب کا نام ہم نے استعراجِ نفس رکھا ہے۔ یعنی نفس کا بتدریج عروج یا معراج حاصل کرنا یہ استعراجِ نفس کی پہلی جلد ہے اور انشا اللہ اسی نہج پر جِلد دوم اور سوم کی تکمیل کی جائیگی۔

حضرت مولانا رومیؒ فلسفیانہ استدلال کی بجائے عام فہم حکایات کے پیرائے میں انسان کے قلب اور روح کی پاکیزگی کے لئے درکار تمام رموز کا احاطہ کرتے ہیں۔ اگر پورے صدقِ دل کے ساتھ ان حکایات اور مضامین کی طرف متوجّہ ہوا جائے تو انسان کو حضرت مولانا رومیؒ کا روحانی فیض حاصل ہوتا ہے جو قلب و نظر کو پاکیزہ کرتے ہوئے تقرّب الٰہی کی منازل تک پہنچا دیتا ہے۔

آپ اس کتاب کو جس صفحے سے بھی پڑھیں گے پاکیزہ روحانی خوراک کو موجود پائیں گے۔ تاہم یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ مثنوی شریف کا اصل فارسی متن ایک اپنی ہی طرز کا سوز و سحر رکھتا ہے اور ہماری یہ سلیس شرح اسی متن سے ماخوذ ہونے کے باوجود اس کا پورا نِعمُ البَدَل نہیں ہے۔

ہمیشہ کی طرح اس کتاب کی تیاری میں بھی محترم محمود انور صاحب کی معاونت شامل ہے۔ ان کے ساتھ ساتھ دار الحکمتہ الخالدیہ کی پوری ٹیم کی کوشش سے یہ پہلی جلد پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اللہ تعالٰی ہماری یہ کوشش قبول فرمائے اور ہمیں حضرت مولانا رومیؒ کے فیض سے فیضیاب کرے۔

مجھے اپنی کم مائیگی کا پورا احساس ہے اور اس کتاب میں سرزد ہوئی ہر غلطی پر اللہ تعالٰی کے حضور معافی کا طلب گار ہوں۔ ہمیشہ کی طرح قارئین کی طرف سے دیئے گئے مشوروں اور اصلاح کو تہہ دل سے قبول کیا جائیگا۔

ملک محمد عثمان

پیش لفظ

میں اپنے آپ کو بہت خوش قسمت محسوس کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دارالحکمۃ الخالدیہ کا حصّہ بنایا ہے۔ اس ادارے کے ذریعے مجھے نئی کتابوں کی اشاعت میں شریک ہونے کا موقع ملتا ہے، جو میرے لیے بڑے اعزاز کی بات ہے۔ اس دوران مجھے محترم ملک محمد عثمان صاحب کے ساتھ براہِ راست بات چیت اور فہم و فراست بڑھانے کا بھی موقع ملتا ہے، جس کے لیے میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں۔

کتاب "استعراجِ نفس" ملک محمد عثمان نے اللہ کی دی ہوئی توفیق اور حکمت سے مُرتّب کی ہے۔ اس کتاب میں مولانا رومیؒ کی مثنوی شریف کے دفتر اول اور دفتر دوم سے منتخب حکایات کو اس طرح سے ترتیب دیا گیا ہے کہ یہ انسان کے روحانی پوٹینشل کو اجاگر اور زیادہ سے زیادہ فروغ دینے میں معاون ثابت ہو۔

اس کتاب کی تیاری اور مطالعے کے دوران، مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ایک ماہر کیمیا گر نے ایسا کیمیائی فارمولا ترتیب دیا ہو جو ماہیت کو تبدیل کر دے، جیسے لوہے کو سونے میں بدل دینا۔ اگر میں اسے ایک اور انداز میں بیان کروں، تو یہ کتاب ایک ایسے راستے کا پتہ بتاتی ہے جو انسان کی روحانی شناخت سے شروع ہوتا ہے اور اسے عشق حقیقی کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے ملا دیتا ہے۔

ملک صاحب نے ہمیشہ کی طرح اس کتاب کو بھی انتہائی سادہ الفاظ میں عام فہم بنایا ہے، تاکہ یہ قارئین کے لیے سمجھنے اور مستفید ہونے میں مددگار ثابت ہو۔ میں یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ ملک صاحب کو اللہ تعالیٰ نے حکمت بانٹنے میں انتہائی سخی بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس سخاوت میں اور اضافہ فرمائے، حکمت بانٹنا بہترین سخاوت ہے۔

آخر میں، میں دارالحکمۃ الخالدیہ کی پوری ٹیم کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے خلوص نیت اور محنت سے اس کتاب کی تیاری میں حصہ لیا۔ خصوصاً محترم زبیر صاحب کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے کتاب کی ادارت میں میری خوب معاونت کی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے.

محمود انور

فہرست مضامین

1. اپنی تلاش **1**

1.1 بشنو از نے – روح کیا ہے، ہم کون ہیں 2

1.2 بادشاہ اور کنیز – انسانی نفس کی ترقّی کا سفر 4

1.3 تاجر کی طوطی – روح کو انسانی نفس سے کیسے آزاد کیا جائے 13

1.4 بڑی تنخواہ – اصل معاملہ وہی ہے جو جسم سے پہلے ہے 16

1.5 بطخ کا بچہ – اپنی روحانی اصل کو پہچاننا ضروری ہے 18

2. اللہ تعالیٰ کی تلاش **21**

2.1 قیصر روم کا ایلچی – اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے 22

2.2 جو اللہ کا ہو گیا – فیض کا تسلسل حقیقی ہے 23

2.3 رب کی خوشبوئیں – شکر بن جانے پر مٹھاس اپنی ہو جاتی ہے 24

2.4 پانی کا مٹکا – بندے اور خدا کے ظرف میں فرق 26

2.5 عاشق اور دیوار – مجاز سے حقیقت کی طرف بڑھنا ضروری ہے 27

2.6 مالک اور چور – افعال اور صفات سے آگے ذات کی معرفت ہے 28

2.7 گم شدہ اونٹ – خدا شناسی کے میدان میں سب برابر نہیں 30

2.8 اوس اور خزرج – دوئی سے یکتائی کا سفر ضروری ہے 31

3. نفس کے دھوکے 33

3.1 یہودی بادشاہ – نفس کا روح کے خلاف تعصّب 34

3.2 ابو جہل اور کنکر – کافر معجزے کا انکار کرتا ہے 35

3.3 صالحؑ کی اونٹنی – شہوات کی جسم اور روح کی مخالفت 36

3.4 کاتب وحی – خود پسندی تباہی کو جنم دیتی ہے 38

3.5 بہرے کی عیادت – ظاہری حواس دھوکہ دیتے ہیں 40

3.6 حضرت عمرؓ اور آگ – بخل آگ ہے 42

3.7 حضرت علیؓ اور دشمن – جسمانی اغراض کی غلامی نقص ہے 43

3.8 رمضان کا چاند – خیال کا ٹیڑھا ہونا منزل کو ٹیڑھا بناتا ہے 44

3.9 ماں کا قتل – اپنی جِبلّی اور نفسانی خواہشات پہ قابو پانا ضروری ہے 45

3.10 مسجد ضرار – نفس کی مکاری سے آگاہ رہنا چاہیئے 46

3.11 امیر معاویہؓ اور ابلیس – ابلیس ہر حال میں انسان کا خسارہ چاہتا ہے 48

4. کن چیزوں سے بچیں 52

4.1 صاحب تحقیق اور جھوٹے مدعی – مرشد کی تلاش میں احتیاط 53

4.2 باطل تاویل – معرفت سے عاری علم 54

4.3 دکاندار اور طوطہ – اولیاء اللہ کے کاموں کو اپنے کاموں پر قیاس کرنا 55

4.4 جھوٹے مدعی – کچھ لوگ صوفی ہونے کا جھوٹا دعوی کرتے ہیں 57

4.5 ہڈیوں کو زندہ کرنا – اپنی ذات کی اصلاح پہلی ترجیح ہے 58

4.6 صوفی کا گدھا – غفلت شرمندگی پیدا کرتی ہے 59

4.7 اگر مگر کی شادی – محض لفاظی سے آگے مشاہدہ تک پہنچنا چاہیے.............. 61

4.8 انکار فلسفی – خشک دلائل بالآخر انکار کی طرف لے جاتے ہیں................. 63

4.9 ریچھ اور اژدھا – دوست کو زیرک اور دانا ہونا چاہئے........................ 65

4.10 ڈبل نابینا – دل کی کدورت نقائص کو دگنا کرتی ہے 67

4.11 جالینوس اور دیوانہ – ناجنس کی ہمنشینی زندگی کو تنگ کرتی ہے 68

4.12 عربی اور ریت کے بورے – خواہ مخواہ منطقی ہونا رزق تنگ کرتا ہے.......... 69

4.13 شیر اور خرگوش – دوسروں میں اپنا عکس 72

4.14 کانٹے – بُری عادات سے جلد چھٹکارا پانا چاہئے............................. 74

4.15 شیر اور گائے – تقلیدی ایمان سے عین الیقین نہیں حاصل ہوتا............... 76

4.16 تقلید، سماع اور گدھا – لالچ اور اندھی تقلید بڑا نقصان دیتی ہے 77

4.17 چار نمازی – دوسروں کی عیب جوئی اپنے عیب کا باعث ہے 79

4.18 حضرت شعیب اور گناہ گار شخص – گناہوں پر استمرار اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے ..80

5. کن چیزوں کو اپنائیں 81

5.1 کلموا الناس – فرقِ مراتب کا لحاظ رکھنا 82

5.2 توکّل اور کوشش – توکّل اور کوشش دوست ہیں 83

5.3 جہاد اکبر – دل کی پاکیزگی 84
5.4 آدمؑ کی غلطی – عاجزی اور توبہ کی اہمیت 85
5.5 حکیم سنائی – اگر ناز کے قابل نہیں تو عاجزی بہتر ہے 87
5.6 فرشتوں کی دعا – عاشق کی سخاوت جان خرچ کرنا ہے 88
5.7 شیر کا ٹیٹو – مشّقت برداشت کرنا روح کو رستہ دیتا ہے 90
5.8 شیر بھیڑیا اور لومڑی – پچھلوں کے واقعات سے عبرت لینا چاہیے 92
5.9 فتح مکہ اور رسولؐ – قلب کے مکّہ کی فتح دنیاوی غرض سے نہیں ہونی چاہئے 94
5.10 علم کا درخت – علم تکمیل نفس کا ایک اہم جزو ہے 95
5.11 کھجور کاتنا – ظاہری حواس سے آگے باطنی حواس 98
5.12 مرج البحرین – حقائق کو ایک دوسرے سے ممتاز کرنا 100
5.13 حال اور مستی – ہر سخن مقام دارد 102
5.14 باز اور بوڑھی – شاہ سے بھاگنا گھاٹے میں پڑنا ہے 103
5.15 باغبان اور تین چور – اچھی روحانی شخصیت علم، شرافت اور تزکیے سے بنتی ہے.. 105
5.16 قاضی کی شکایت – غرض کو چھوڑنا معرفت کو پیدا کرتا ہے 107
5.17 نماز اور آہ – آہ وزاری عبادت سے زیادہ پُر اثر ہے 108
5.18 غُوز ترک – پچھلی قوموں کے واقعات سے عبرت لینی چاہئے 109
5.19 انگور پہ لڑائی – سلیمانِ معنوی تک پہنچنا ضروری ہے 110
5.20 صوفیوں کا طعنہ – امور میں اعتدال ضروری ہے 113

6. اولیاءاللہ کی عظمت 114

6.1 شمس تبریزؒ - مرشد سورج کی طرح ہے 115

6.2 سارنگی نواز بوڑھا – غیب کے سریلے نغمے 116

6.3 بلعم باعور – ولیوں سے مقابلہ نرا خسارہ ہے 117

6.4 بایزیدؒ اور کعبہ – اولیاءاللہ کی شان عام آدمی سے اونچی ہے 118

6.5 حضرت ابرہیم بن ادھمؒ - دنیا آخرت کے مقابلے میں حقیر ہے 120

6.6 شیخ اور بے وقوف آدمی – اولیاءاللہ کی بدگمانی نقصان دیتی ہے 122

6.7 چوہا اور اونٹ – اللہ کے خاص بندوں کی مقابلے بازی سے بچنا چاہیئے 124

6.8 درویش اور کشتی – اللہ کے ولیوں کی تعظیم ضروری ہے 126

6.9 حلوہ اور طبیب – استاد اور شاگرد میں مرتبے کا فرق ہے 128

6.10 بوڑھا اور طبیب – صوفی اندرونی مزاج میں بچہ ہوتا ہے 130

6.11 بے مصلّی نماز – انبیاء اور اولیاء کی شان کو عام آدمی سے قیاس نہیں کرنا چاہیئے 132

7. سفر کے اشارے 133

7.1 اللہ یتوفی الانفس – روح کا حس کی قید سے آزاد ہونا 134

7.2 اصحاب کہف – ظاہری حواس کی قید سے آزاد ہونا 135

7.3 دوسرے ستارے – بلند نسبت 136

7.4 جسم کا ابوجہل – روح اور عقلِ خالص کی طرف سفر 137

7.5 عشق – علم سے آگے عشق کا سفر 138

7.6 قوم ہُود – قدرت باریکی سے دیکھتی ہے 139

7.7 دوسری قسم کی بارش – غیب کے اندر خزانے ہیں 140

7.8 روح کا آسمان – آسمانوں کے بھی آسمان ہیں................................ 141

7.9 کشتی اور عربی دان – نحو سے زیادہ محو ضروری ہے.......................... 142

7.10 نہر اور دیوار – جبلّتوں اور شہوات کی دیوار توڑنا ضروری ہے 144

7.11 بلقیس، ہدہد اور سلیمان – باطنی حواس اور عقل خالص کی طرف بڑھنا چاہیئے 146

7.12 آقا اور لُقمانؒ – عقل کی تکمیل ضروری ہے 148

7.13 بچہ اور تابوت – دل اور سینے کی روشنی ضروری ہے 150

7.14 بیداری حواس – باطنی حواس کی بیداری نور پیدا کرتی ہے 152

7.15 شمع اور پروانہ – الفاظ سے معنی تک کا سفر ضروری ہے...................... 154

8. معرفت 155

8.1 سارنگی نواز اور خدا – خدا اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے 156

8.2 موسیٰؑ و فرعون – جزو میں اختلاف ہے کل میں نہیں 158

8.3 سخی اور فقیر – سخی اللہ تعالیٰ کے تقرّب میں ہے................................ 160

8.4 حضرت علیؓ کو نصیحت – اسرار الٰہی کی معرفت محض عبادت سے افضل ہے ... 161

8.5 رومی اور چینی – دل کی صفائی معرفت کا دروازہ ہے 162

8.6 زید بن حارثؓ – بندے کا اپنا حجاب ربّ سے ممانع ہے 163

8.7 حضرت لقمانؑ - اللہ تعالیٰ کی ذات سب سے دانا ہے 164

8.8 سپیرے کا سانپ – دعا قبول نہ ہونے کی حکمت 165

8.9 حلوے کا تھال – توکّل اور عجز ثمر آفریں ہیں 166

8.10 رونے والی آنکھ – روحانی حقیقت سب کچھ عطا کرتی ہے 168

8.11 اُلّو اور باز – کبھی کبھی عام لوگوں سے زچ ہونا پڑتا ہے 169

8.12 ذوالنون مصریؒ - آزمائش کے مراحل سے بھی گزرنا پڑتا ہے 171

8.13 موسیٰؑ اور چرواہا – اصل چیز خلوص، محبّت، سوز اور عشق ہے 172

8.14 منہ میں سانپ – عارضی تکلیف نقصان سے بچانے کے لئے ہوتی ہے 175

8.15 موسیٰؑ اور بچھڑے کا پجاری – ازلی بد بختی 177

8.16 موسیٰؑ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت – تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے 178

8.17 دیوانہ اور بچوں کا کھیل – جسم اور روح کی مطابقت اہم چیز ہے 179

8.18 خیر اور شر - اللہ تعالیٰ سب نقشوں کا پیدا کرنے والا ہے 181

8.19 معزول وزیر - بعض گناہ مقام سے گرا دیتے ہیں 182

8.20 کھرا اور کھوٹا – حق اور باطل بعض اوقات خلط ملط ہیں 183

8.21 درویش کی کرامت – کچھ لوگ ابدی ناقص ہیں 184

8.22 یحییٰؑ اور عیسیٰؑ – چیزوں کے حقائق غیر زمانی بھی ہوتے ہیں 186

چند اصطلاحات کے معانی 187

مثنوی مولانا رومیؒ سے منتخب فارسی اشعار 189

1 اپنی تلاش

ایں جہان دریاست وتن ماہی وروح
یونس محجوب از نور صبوح
گر مسبّح باشد از ماہی رہید
ورنہ دروی ہضم گشت ونا پدید

یہ جہاں دریا کی طرح، جسم مچھلی کی طرح
اور روح یونس کی طرح جو مچھلی کے پیٹ میں ہے
اگر تو تسبیح کرنے والا ہے تو مچھلی سے رہائی پائے گا
ورنہ اس کے پیٹ میں ہضم ہو کر غائب ہو جائے گا

1.1 بشنو از نے – روح کیا ہے، ہم کون ہیں

بشنو از نے چوں حکایت می کند۔ مثنوی شریف کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے کہ بانسری کی آواز سنو یہ کیا حکایت بیان کرتی ہے، یہ جدائیوں کی داستان بیان کرتی ہے۔

جب سے مجھے نیستان (نے ستان، نیست آن) سے کاٹا ہے، بانس کے جنگل یا لا مکان سے کاٹا ہے۔ میرے نالۂ فریاد کو سن کر سب مرد و زن روتے ہیں۔ یعنی روح اپنی اصل سے دور ہو کر بانسری کی طرح اپنی جدائی کا نالہ کرتی ہے۔ روح ایسے سینے کو تلاش کرتی ہے جو فراق سے پارہ پارہ ہو گیا ہو تا کہ پھر اس سینے سے روح اپنے عشق کے دور کی تفصیل بتائے۔

جو کوئی بھی اپنی اصل سے دور ہوتا ہے وہ دوبارہ سے اپنی اصل کے ساتھ جُڑنا چاہتا ہے۔ ایسے ہی روح پھر سے اپنے ربّ کے تقرّب میں جانے کے لئے تڑپتی ہے۔ یوں تو روح ہر قسم کے خوش حال اور بد حال لوگوں میں ہوتی ہے۔ لیکن ہر شخص اپنے خیال کے مطابق ہی روح کا رفیق بنتا ہے۔ بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو روح کے اندر کے رازوں کو سمجھنے کی جُستجو کرتے ہیں۔

روح کا راز اس بانسری جیسی آواز کے ترنّم میں ہی موجود ہے لیکن عام انسان کی آنکھ اور کان میں وہ نور نہیں کہ وہ روح کے راز کا ادراک کر سکے۔ جسم روح سے اور روح جسم سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ لیکن یہ عام دستور نہیں کہ کوئی روح کو دیکھ سکے۔

بانسری کی طرح گویا ہم بھی دو منہ رکھتے ہیں ایک منہ اس کے لبّوں کے ساتھ جڑا ہے اور ایک منہ ہماری طرف ہے۔ جس کی آنکھ روشن ہے وہ جانتا ہے کہ اِس سِرے سے آنے والی آواز اُس سِرے سے ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ روح کے بارے میں بتاتے ہیں کہ اپنی اصل سے جدا ہونے کے بعد ہماری روح بانسری کی آواز کی طرح نالہ و فریاد کرتی ہے اور ہر دم اپنی اصل کی طرف لوٹ جانے کی تمنّا کرتی ہے۔ اس کتاب کے باقی عناوین دراصل اسی روح کے واپس کامیاب لوٹنے کی تربیّت کے اسباق ہیں.

1.2 بادشاہ اور کنیز – انسانی نفس کی ترقّی کا سفر

پہلے زمانے میں ایک بادشاہ تھا۔ ایک دن وہ بادشاہ اپنے مصاحبوں کے ساتھ شکار کے لئے جنگل میں گیا۔ وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں شکار کے لئے پھر رہا تھا کہ اچانک اس کی ملاقات ایک خوبصورت کنیز سے ہوئی۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے اس کنیز پر عاشق ہو گیا۔ بادشاہ کا دل اس خوبصورت کنیز کے عشق میں تڑپ کے رہ گیا۔ اس نے منہ مانگے پیسے دے کر اس کنیز کو خریداا اور اپنے محل میں لے آیا۔ تاہم خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ جب بادشاہ اس کنیز کو خرید کر اپنے محل میں لایا تو وہ کنیز بیمار ہو گئی۔ بادشاہ اس کی بیماری سے بہت پریشان ہوا۔ یہ ایسا ہی تھا جیسے ایک آدمی کے پاس سواری کے لیے گدھا تھا لیکن پالان نہ تھا۔ جب اسے پالان حاصل ہو گیا تو اس کے گدھے کو بھیڑیا لے گیا یا جیسے کسی کے پاس پیالہ ہو لیکن پانی نہ ہو۔ جب اسے پانی مل جائے تو وہ پیالہ ہی ٹوٹ جائے۔

بادشاہ نے ملک کے ہر کونے سے طبیبوں کو کنیز کے علاج کے لیے بلایا۔ بادشاہ نے انہیں بتایا کہ ہم دونوں کی جان تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میری جان تو معمولی ہے لیکن یہ کنیز میری جان کی جان ہے۔ میں دکھی اور پریشان ہوں اور یہ کنیز میرے دکھ اور پریشانی کا علاج ہے۔ جو کوئی اس کنیز کا علاج کرے گا میں اسے ہیروں اور جواہرات سے مالا مال کر دوں گا۔ طبیبوں نے کہا ہم پوری کوشش کریں گے۔ خوب توجّہ سے اور مل جل کر کام کریں گے۔ ہم میں سے ہر طبیب اس دنیا کا مسیحا ہے اور ہمارے پاس ہر درد کا مرہم ہے۔ تاہم ان طبیبوں نے اپنے ہنر پر تکبر کی وجہ سے انشاءاللہ نہ کہا۔ ایسے طرز عمل پر وہ خدا کی پکڑ میں آگئے اور ان کا عجز اور کمزوری ان کے سامنے آگئی۔ جیسے جیسے وہ حکیم علاج کرتے بیماری مزید بڑھتی جاتی- چنانچہ وہ کنیز بیماری کی وجہ سے بال کی طرح پتلی ہو گئی۔ کنیز کو اس حالت میں دیکھ کر بادشاہ کی آنکھوں سے نہر کی طرح آنسو جاری تھے۔

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں جب موت آتی ہے تو طبیب بے وقوف ہو جاتا ہے۔ دوائی فائدے والا رستہ بھول جاتی ہے- ان طبیبوں کے علاج سے اسکنجبین نے صفرا بڑھا دیا۔ روغنِ بادام نے خشکی پیدا کر دی اور ہریڑ سے قبض ہو گیا۔ گویا پانی مٹی کے تیل کی طرح آگ کا طرفدار بن گیا۔ تقدیر نے ہر دوا کے اوصاف الٹ دیئے۔ کنیز کے دل کی سستی بڑھ گئی، نیند اُڑ گئی، آنکھوں میں سوزش ہو گئی اور دل درد و غم سے بھر گیا۔ طرح طرح کے شربتوں اور دواؤں کے اثر نے طبیبوں کی آبرو خاک میں ملا دی۔ یعنی کثیر اسباب پر بھروسہ بغیر حضورِ قلبی کے اور بغیر خدا تعالیٰ سے تعلق استوار کرنے کے بے آبروئی کا باعث بن گیا۔

بادشاہ نے جب طبیبوں کی اس بے بسی کو دیکھا تو وہ مسجد کی طرف ننگے پاؤں بھاگا۔ وہ مسجد کے محراب میں گر کر سجدہ ریز ہو گیا اور اس سجدے کی حالت میں خوب رویا۔ اس کے سجدے کی جگہ آنسوؤں کے پانی سے تر ہو گئی۔ جب خوب رو لیا تو اس نے خوب حمد و ثناء کی کہ اے خدا یہ دنیا کی سلطنت تیری معمولی بخشش ہے۔ اس سلطنت کے مقابلے میں میرا مسئلہ تو تیرے لیے بہت ہی چھوٹی چیز ہے۔ میں کیا کہوں تو خود پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ہے۔ تُو میرا مسئلہ بھی جانتا ہے اور ان ناکام طبیبوں کا حال بھی جانتا ہے، یہ تمام مسئلہ تیرے کرم کے سامنے بہت ہی چھوٹا ہے۔ اے اللہ تو ہمیشہ ہماری حاجات اور ضرورتوں کو پورا فرماتا ہے۔ ہم نے ایک دفعہ پھر تیری رحمت اور تیرے کرم کو نظر انداز کر کے ان طبیبوں پر بھروسہ کر لیا اور اب ان طبیبوں کی ناکامی سے پریشان ہیں۔ اگرچہ تو دلوں کے بھید جانتا ہے لیکن تو چھپی ہوئی پریشانیوں کو ظاہری حالت میں بیان کرنے کا حکم بھی دیتا ہے۔ جب بادشاہ نے دل کی گہرائیوں سے فریاد کی تو دریائے بخشش جوش میں آ گیا۔ روتے ہوئے اور دعا کرتے ہوئے بادشاہ کو نیند آ گئی-

بادشاہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ ظاہر ہوئے ہیں۔ وہ بزرگ بولے اے بادشاہ خوشخبری ہو تمہاری فریاد سنی گئی۔ اگر کل کوئی اجنبی تمہارے پاس آئے تو وہ ہماری طرف سے ہوگا۔ وہ ایک ماہر طبیب ہے اس کو سچا جاننا کیونکہ وہ صادق اور امین ہے۔ اس ماہر طبیب کے علاج کی جادوگری دیکھنا اور اس طبیب کے مزاج میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی جھلک دیکھنا وہ بادشاہ (حقائق کے علم کے حساب سے) سویا ہوا تھا یہ خواب دیکھ کر جاگ اٹھا۔ وہ جو کنیز کا غلام بنا ہوا تھا پھر سے بادشاہ بن گیا۔ جب وہ وعدہ کا دن آگیا اور سورج نے مشرق سے ستارے ختم کر دیئے۔ بادشاہ کھڑکی سے دیکھ رہا تھا وہ منتظر تھا تاکہ وہ اس بھید کو دیکھے جو اس پر خواب میں ظاہر کیا گیا تھا۔ اس نے ایک کامل شخص کو دیکھا جو اندھیرے میں سورج کی مانند روشن تھا۔ وہ دور سے چاند جیسا آرہا تھا۔ اس کا وجود خیال کی طرح تھا جو معدوم بھی ہوتا ہے اور موجود بھی۔ وہ خیال جو بادشاہ نے خواب میں دیکھا وہ اس آنے والے برگزیدہ مہمان کے چہرے پر ظاہر ہوا۔ اللہ کے دوست میں اللہ کا نور ظاہر ہوتا ہے۔ اگر کوئی اہل دل ہو تو وہ اس نور کو ضرور دیکھ لیتا ہے۔ وہ اللہ کا ولی جب دور سے نظر آیا تو اس کے جسم سے نور برستا تھا۔

بادشاہ اپنے دربانوں کو پیچھے چھوڑتا ہوا خود آگے بڑھا اور اپنے غیبی مہمان کے سامنے آیا۔ بادشاہ نے اپنے غیبی مہمان کا ایسے استقبال کیا جیسے شکر گلاب کی پتی میں پیوست ہو گئی ہو۔ جیسے دونوں سمندر کی مخلوق ہوں اور باہم تیر رہے ہوں۔ جیسے دونوں کی جانیں بغیر سیے ہوئے ایک دوسرے سے سلی ہوئی ہوں۔ جیسے ایک پیاسا ہو اور ایک پانی ہو۔ جیسے ایک مست ہو اور ایک شراب ہو۔ بادشاہ نے اس غیبی مہمان سے کہا میرا معشوق تَو تُو تھا نہ کہ وہ کنیز جس سے میں نے عشق کیا۔ لیکن اس دنیا میں کام سے کام نکلتا ہے تو میرے لیے مصطفیٰؐ کی طرح ہے اور میں عمرؓ کی طرح ہوں اور تیری خدمتگاری کے لیے ہر وقت کمربستہ ہوں۔ بادشاہ جب اپنے خدائی مہمان کے سامنے آیا تو اگرچہ وہ بادشاہ تھا

لیکن اس لمحے وہ گویا ادب سے فقیر بن گیا۔ بادشاہ نے اپنے دونوں بازو پھیلائے اور اس بزرگ کو گلے لگالیا۔ اس کو اپنے دل اور جان میں سمولیا۔ اس کے ہاتھ اور پیشانی کو بار بار چوما، گھر اور راستے کے سفر کے بارے میں پوچھا۔ وہ اس خدائی مہمان سے اس کا حال احوال پوچھتے پوچھتے اسے محل کے مرکزی دروازے کی طرف لا رہا تھا۔ اس نے کہا کہ مجھے خزانہ مل گیا ہے۔ لیکن بڑے صبر کے بعد۔ صبر اگرچہ کڑوا ہو لیکن بالآخر میٹھا اور فائدوں سے بھرپور پھل دیتا ہے۔ صبر کشادگی کی کُنجی ہے۔ بادشاہ نے کہا اے اللہ کے نور اور تنگی کو دور کرنے والے۔ اے غیبی مہمان تیری ملاقات ہر سوال کا جواب ہے تیرے ملنے سے مشکلیں حل ہو جاتی ہیں۔ جو کُچھ ہمارے دل میں ہے تو اس کا ترجمان ہے جو کوئی مشکل میں پھنس چُکا ہو تو اس کے ہاتھ تھامنے والا ہے۔ جب خوب خاطر مدارت کرلی تو بادشاہ ہاتھ پکڑ کر مہمان بزرگ کو حرم سرا میں لے گیا۔

اس نے کنیز کے تمام حالات بتائے اور بیماری کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔ طبیب نے کنیز کے چہرے کا رنگ، نبض اور قارورہ دیکھا۔ اس کے مرض کی علامتیں دیکھیں اور ان علامتوں کے اسباب پر توجّہ کی۔ مکمل تشخیص کے بعد اس غیبی طبیب نے بتایا کہ پہلے ظاہر بین حکیموں نے جو دوائیاں اس کو کھلائی ہیں۔ اس سے اس کنیز کا مرض ٹھیک ہونے کی بجائے مزید خراب ہی ہوا ہے۔ وہ کنیز کے اندرونی حالات سے لاعلم تھے۔ میں ان کی غلط تشخیص سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ طبیب نے مرض کی تشخیص کی تو اس پر راز کھل گیا لیکن فی الوقت اس نے بادشاہ سے یہ راز چھپالیا۔ اس کنیز کا مرض سودا اور صفرا سے نہ تھا یعنی جسمانی نہیں تھا۔ کسی بھی لکڑی کی بُو اس کے دھویں سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس کنیز کی طبیعت سے وہ سمجھ گیا کہ وہ دل کی بیمار ہے۔ اس کا بدن ٹھیک ہے۔ لیکن دل بیمار اور گرفتار ہے۔

طبیب جب اس معاملے سے باخبر ہو گیا اور اندرونی طور پر بادشاہ کا ہمراز ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ اے بادشاہ گھر کو اپنے اور غیر سب سے خالی کر دے۔ کوئی آدمی اس گھر کی طرف کان نہ لگائے۔ تا کہ میں کنیز سے کچھ سوال و جواب کر لوں۔ بادشاہ نے گھر خالی کر دیا تا کہ کنیز کے مرض کی تشخیص ہو سکے۔ اب اس گھر میں بیمار اور طبیب کے سوا کوئی نہ رہا۔ طبیب نے کنیز سے پیار سے پوچھا کہ بتا تُو کس شہر سے ہے۔ اس لیے کہ ہر شہر والے کا علاج جداگانہ ہے اور یہ بتا کہ پھر اس شہر میں تیرا تعلق کس سے ہے۔ طیب نے اپنا ہاتھ اس کی نبض پر رکھا ہوا تھا اور باری باری اس سے متعلقہ لوگوں کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں جس کسی کے پاؤں میں کانٹا چُبھتا ہے تو وہ اپنا پیر ران پر رکھ لیتا ہے اور سوئی کی نوک سے اس کانٹے کا سِرا تلاش کرتا ہے۔ جب کانٹے کا سِرا نہیں ملتا تو اسے لہاب سے تر کرتا ہے۔ جب پاؤں کا کانٹا تلاش کرنا اتنا مشکل ہے تو پھر دل کا کانٹا تلاش کرنا اور نکالنا کتنا مشکل ہو گا۔ دل کا کانٹا اگر ہر شخص نکال سکتا تو دُنیا کے غم کبھی کسی پر غلبہ نہ پاسکتے۔ اگر کوئی گدھے کی دم کے نیچے کانٹا رکھ دیتا ہے تو گدھا چونکہ اس کانٹے کو نکالنا نہیں جانتا وہ کودتا ہے اور اس کودنے کی وجہ سے نہ صرف اپنے آپ کو زخمی کر لیتا ہے بلکہ کانٹے کو مزید پکا کر لیتا ہے۔ اس طرح کودنے سے اس کا کانٹا کیسے نکل سکتا ہے، کسی ماہر کی ضرورت ہے جو اس کانٹے کو سمجھے اور نکالے۔ یہ خدائی حکیم کانٹا نکالنے والا استاد تھا۔ وہ اس کنیز سے بچوں کی طرح گزشتہ زندگی کے بارے میں پوچھتا تھا۔ وہ کنیز طبیب سے تمام باتیں کھل کر کہتی تھی- اس نے اپنے مقامات، آقاؤں اور بستیوں کے بارے میں بتایا۔ طبیب یہ ساری باتیں غور سے سن رہا تھا اور اس کا ایک ہاتھ مسلسل اس کی نبض پر تھا تا کہ وہ یہ جان لے کہ کس کا نام لیتے وقت اس کی نبض کی رفتار تیز ہوئی تھی۔ یقیناً یہی شخص اس کا محبوب ہو گا۔

اس نے کئی شہروں اور لوگوں کا ذکر کیا لیکن اس کی نبض نہ پھڑکی یہاں تک کہ طبیب نے شکر جیسے میٹھے شہر سمرقند کے بارے میں پوچھا اس پر اس خوبصورت کنیز نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اس نے بتایا کہ ایک تاجر اسے اس شہر میں لایا تو ایک زرگر نے اسے خرید لیا۔ اس زرگر نے اسے چھ ماہ تک اپنے ساتھ رکھا اور پھر آگے بیچ دیا۔ جب اس نے آگے بیچنے کی بات کی تو اچانک غم سے جل اٹھی۔ اس کی نبض پھڑک اٹھی اور چہرہ پیلا پڑ گیا کیوں کہ وہ اس سمرقندی سنار کی جدائی سے نالاں تھی۔ طبیب نے اس سے اس سنار کے گھر کا راستہ معلوم کیا اور پھر کنیز سے مخاطب ہوا کہ اے کنیز تو اب اس تکلیف سے نجات پا گئی ہے کیوں کہ میں تیرا مرض جان گیا ہوں اب میں اس کا فوری علاج کروں گا تو خوش اور مطمئن ہو جا کہ میں تجھے ایسے سرسبز کر دوں گا جیسے بارش باغ کو کرتی ہے۔ میں تیرا ہمدرد و غم خوار ہوں اور سو باپوں سے بڑھ کر تجھ پر شفقت کرنے والا ہوں۔ لیکن تو یہ راز کسی کو نہ بتانا اگر کبھی بادشاہ بھی تجھ سے یہ راز پوچھے تو اسے نہیں بتانا۔ جب کسی کا راز اس کے دل میں چھپا ہو گا تو تو بہت جلد اپنے مقصد کو پا لے گا۔ دانہ جب زمین کی تہہ میں چھپتا ہے تو گل و گلزار بن جاتا ہے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنا راز کسی پر ظاہر نہ کیا تو وہ بہت جلد اپنے مقصد تک پہنچ گیا۔ سونا اور چاندی اگر چھپے ہوئے نہ ہوتے تو کان کے اندر کیسے پرورش پاتے۔ اس طبیب کے وعدوں اور شفقت بھرے لہجے نے اس کنیز کو بیماری کے خوف سے مطمئن کر دیا۔ سچے وعدے دل کو خوش اور مطمئن کرنے والے ہوتے ہیں اور جھوٹے وعدے پریشان کرتے ہیں۔

جب اس مہربان طبیب نے کنیز کے مرض کا راز معلوم کر لیا، اس کی تشخیص کر لی تو وہ بادشاہ کے پاس آیا اور اسے اس مرض کے بارے میں کسی قدر آگاہ کیا۔ بادشاہ نے کہا کے اب اس مرض کے علاج کی کیا تدبیر ہے۔ یہ اس طرح کا غم ہے کہ اس میں تاخیر

نہیں کی جا سکتی۔ طبیب نے کہا، تدبیر یہ ہے کہ ہم اس کنیز کے علاج کے لیے اس زرگر کو بلائیں۔

طبیب نے بادشاہ سے کہا کہ آپ ایک قاصد کو بھیجیں جو اس زرگر کو مال و دولت کا لالچ دے کر لے آئے جس سے تیری محبوبہ کنیز خوش ہو جائے اور یہ سب مشکل آسان ہو جائے۔ جب وہ تنگ دست سنار سونا چاندی دیکھے گا تو اس کی خاطر گھر بار چھوڑنے کے لیے تیار ہو جائیگا۔ سونا چاندی عقل کو دیوانہ بنا دیتے ہیں، خاص کر غریب اور تنگ دست اس کو پانے کی خاطر ذلیل ور سوا ہو جاتے ہیں۔ سونا، چاندی، مال و دولت کو اگرچہ عقل و فکر کی معاونت میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن یہ کام بہت ہی نیک اور پارسا عقل والا آدمی ہی کر سکتا ہے۔

جب بادشاہ نے طبیب سے یہ بات سنی تو اس طبیب کی نصیحت کو دل و جان سے قبول کیا۔ اس نے طبیب سے کہا کہ میں تیرے حکم کے مطابق حکم کروں گا اور جیسا آپ نے کہا ہے ویسا ہی کروں گا۔

پھر بادشاہ نے ایماندار، محنتی اور نیک فطرت دو قاصد سمرقند روانہ کیے وہ دونوں سمرقند میں اس زرگر کے پاس پہنچے اور بادشاہ کی طرف سے خوشخبری پہنچائی۔ قاصدوں نے اس زرگر سے کہا کہ تیری شہرت دور دور شہروں میں پھیلی ہوئی ہے، اب بادشاہ نے تجھے زیور بنانے کے لیے منتخب کیا ہے کیونکہ وہ تیری کاریگری کا قائل ہو گیا ہے۔ قاصدوں نے اسے مال و دولت اور کپڑے پیش کیے اور بتایا کہ جب تو محل میں آئیگا تو تیری خوب آؤ بھگت کی جائے گی۔ اس نے جب مال و دولت دیکھا اور تعریف سنی تو اس مال و دولت کے نشے میں اپنے شہر اور اپنی اولاد سے جدا ہونے کے لیے تیار ہو گیا۔ وہ خوشی خوشی محل کی طرف چل پڑا۔ وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ بادشاہ نے اس کی موت کا قصد کیا ہے۔ اس نے شاہی جوڑے کے عوض اپنے خون کا سودا کیا تھا۔ وہ گویا ہنسی خوشی اپنے پاؤں سے

اپنی موت کی طرف روانہ ہوا تھا۔ (اکثر لوگ دنیاوی عہدوں کی چمک اور لالچ میں اپنی جانوں کا سودا کر لیتے ہیں)۔ اس کے خیال میں حکومت، عزت اور سرداری تھی جبکہ ملک الموت نے کچھ اور ارادہ کر رکھا تھا۔

جب وہ زرگر راستہ طے کر کے پہنچا تو طبیب اس کو بادشاہ کے پاس لایا تاکہ بادشاہ اس کو خوبصورت شمع (یعنی کنیز) کے سر پر رکھ کر جلا دے۔ بادشاہ نے اس سے مل کر اس کی بہت تعریف کی اور سونے کا خزانہ اس کے سپرد کر دیا۔ پھر اسے حکم دیا کہ وہ اس سونے سے قسم قسم کے زیور بنائے۔ کنگن، پازیب، نیکلیس اور کمربند بنائے اور اس کے علاوہ طرح طرح کے برتن بنائے جو شاہی مہمانوں کے لائق ہوں۔ اس نے سونا لیا اور اس کام پر لگ گیا۔ وہ اس کام کے انجام سے بے خبر تھا۔ پھر اس طبیب نے بادشاہ سے کہا کہ وہ کنیز کو زرگر کے حوالے کر دے تاکہ وہ کنیز اس ملاقات سے خوش ہو جائے اور اس ملاقات کی تاثیر سے کنیز کے مرض کی آگ بجھ جائے۔ بادشاہ نے وہ خوبصورت چاند سے مکھڑے والی کنیز اس زرگر کے حوالے کر دی - ان دو وصل چاہنے والوں کا ملاپ کرا دیا۔ کوئی چھ مہینے تک وہ دونوں اکٹھے رہے یہاں تک کہ وہ کنیز مکمل صحت یاب ہو گئی۔

اس کے بعد اس طبیب نے ایک زہریلا شربت تیار کیا جسے وہ بہانے سے زرگر کو پلاتا تھا۔ شربت کو پی کر وہ زرگر روز بروز کمزور ہوتا گیا۔ جب مسلسل کمزور رہنے سے اس زرگر کا حسن ماند پڑ گیا تو کنیز کو بھی اس سے عشق و محبت نہ رہی۔ چونکہ وہ بیماری سے بدصورت، لاغر اور پیلا ہو گیا تھا۔ ایسے میں نہ وہ عشق کرنے کے قابل رہا اور نہ کنیز اس سے عشق کرنے کا مزید سوچ سکتی تھی۔ وہ عشق جو رنگ کی خاطر ہوتا ہے وہ عشق نہیں ہوتا بلکہ اس کا انجام ذلت اور رسوائی ہوتی ہے۔ کاش یہ ظاہری عشق پائیدار ہوتا تو پھر اس زرگر پر یہ ظلم نہ ہوتا۔ اس زرگر کی نہر جیسی آنکھوں سے خون بہنے لگا، اصل میں اس کا

خوبصورت چہرہ اس کا دشمن بنا۔ مور کے پَر اس کے دشمن ہوتے ہیں اور بہت سے شاہوں کو ان کی شان و شوکت نے مارا ہے۔

جب وہ زرگر مرض سے بدحال ہو گیا اور اس کا جسم گھل کر لاغر ہو گیا تو اس نے کہا میں وہ ہرن ہوں کہ شکاری نے میری ناف سے میرا سارا صاف خون بہا دیا ہے۔ میں وہ لومڑی ہوں کہ میری کھال حاصل کرنے کے لیے انہوں نے گھات میں بیٹھ کر میرا سر کاٹ دیا ہے۔ میں وہ ہاتھی ہوں کہ میرے دانت حاصل کرنے کے لیے مجھے مار دیا گیا ہے۔ زرگر نے یہ کہا اور زیرِ زمین چلا گیا اس کے مرتے ہی وہ کنیز دردِ و غم سے نجات پا گئی۔

خلاصہ

اِس مضمون میں حضرت مولانا رومیؒ نے ہمیں ہماری روح کے اسرار و رموز سے آگاہ کیا ہے۔ کنیز سے مُراد انسانی نفس کی وہ حالت ہے جس میں وہ روحانی حقائق سے دور جسمانی جبلت اور ظاہری حواس کے تابع ہوتا ہے۔ زرگر جس پر وہ کنیز عاشق تھی اس سے مُراد دُنیا کی ظاہری زیب و زینت ہے۔ بادشاہ سے مُراد انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کی پھونکی ہوئی روح ہے جبکہ طبیب سے مراد تائید الٰہی ہے۔

ایک انسان کی حقیقی کامیابی اپنے نفس کی اس کنیز کو تائید الٰہی سے دنیا کے زرگر سے چھڑا کر روح کے بادشاہ کے حوالے کرنا ہے۔ تاہم یہ کام بتدریج اور حکمت سے کرنا چاہیے۔

1.3 تاجر کی طوطی – روح کو انسانی نفس سے کیسے آزاد کیا جائے

ایک سوداگر کے پاس ایک خوبصورت طوطی تھی۔ جو پنجرے کے اندر قید تھی۔ وہ سوداگر ایک دفعہ ہندوستان تجارت کے لئے جا رہا تھا۔ اس نے جانے سے پہلے اپنے تمام نوکروں سے پوچھا کہ وہ ہندوستان سے ان کے لئے کیا لائے۔ ہر کسی نے اپنی اپنی خواہش بتائی پھر اس نے اس طوطی سے پوچھا کہ بتا تیرے لئے کیا لاؤں۔ طوطی نے کہا جب تمہیں ہندوستان میں میری طرح کی طوطیاں نظر آئیں تو انہیں میرا حال بیان کر دینا کہ فلاں طوطی جو تمہارے لئے بے قرار رہتی ہے وہ ہمارے پاس قید ہے۔ اس طوطی نے تمہیں سلام کیا ہے اور تم سے اس قید سے نجات کے لئے رہنمائی چاہتی ہے۔ انہیں بتانا کہ وہ کہتی ہے کہ کیا یہ مناسب بات ہو گی کہ میں تمہارے شوق اور فراق میں مر جاؤں۔ میں قیدِ تنہائی میں رہوں اور تم درختوں پر سبزہ زاروں میں رہو۔

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ روح کی طوطی کا حال بھی اسی طرح کا ہے لیکن روح کے پرندے کے اسرار سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ سوداگر نے طوطی کا یہ پیغام قبول کر لیا کہ وہ اس کی ہم جنس طوطیوں کو یہ پیغام ضرور پہنچائے گا۔ جب وہ ہندوستان پہنچا اور اس نے ہم جِنس طوطیاں دیکھیں تو سواری روک کر ان طوطیوں کو آواز دی اور اپنی اس قید طوطی کا سلام اور پیغام پہنچایا۔ یہ پیغام سنتے ہی ان طوطیوں میں سے ایک طوطی کانپ کر نیچے گری اور تڑپ کر مر گئی۔ یہ دیکھ کر سوداگر بڑا پریشان ہوا کہ خواہ مخواہ پیغام پہنچا کر اس نے اس طوطی کی جان لے لی۔ شاید یہ مرنے والی طوطی اس قید طوطی کی رشتہ دار ہو اور اس کے غم نے اس کی جان لے لی ہو۔ جب سوداگر ہندوستان سے واپس لوٹا تو اپنے ہر ملازم کے لئے کچھ سوغات لے کر آیا۔ طوطی نے اس سے پوچھا کہ میرا تحفہ کہاں ہے اس پر سوداگر نے وہ تمام درد بھرا واقعہ سنایا۔ جب اس قید طوطی نے یہ واقعہ سنا تو یہ بھی کپکپاتی ہوئی پنجرے میں گر کر مر گئی۔ جب سوداگر نے اپنی خوبصورت طوطی کو یوں مرا

ہوا دیکھا تو وہ خود بھی تڑپ کر رہ گیا اور آبدیدہ ہو گیا۔ سوداگر چِلاّیا، اے میرے خوش آواز اور خوبصورت پرندے، اے میرے ساتھی اور ہمراز یہ تجھے کیا ہوا ہے۔ حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں طوطی یعنی روح کی ابتداء سے پہلے اس کی ابتداء ہے وہ طوطی تیرے اندر پوشیدہ ہے یہ ایسا چاند ہے جو اَبر کے پیچھے پوشیدہ ہے۔

سوداگر نے اس طوطی کو اٹھا کر اس کے پنجرے سے باہر پھینک دیا۔ سوداگر نے جونہی اسے باہر پھینکا۔ طوطی نے فوراً اڑان بھری اور درخت پر جا کر بیٹھ گئی۔ یہ دیکھ کر سوداگر حیران رہ گیا۔ سوداگر پھر اس سے مخاطب ہوا کہ اے طوطی مجھے بھی اس راز سے کچھ بتا کہ تو نے یہ کیا کیا ہے۔

طوطی بولی کے ہندوستان کی اس طوطی نے مجھے یہ نصیحت کی تھی کہ تو بول چال اور خوش الحانی ترک کر دے۔ تیری آواز نے تجھے قید کر لیا ہے۔ اس نے مجھے نصیحت کی کہ تو اپنے آپ کو مردہ بنا لے تاکہ تو اس پنجرے سے نجات پائے۔

جس نے اپنے حسن کو بڑھایا، سینکڑوں آفتوں نے اس کا رخ کر لیا، نظر، غُصّہ اور حسد اس پر بارش کی طرح برسے گی۔ دشمن حسد کریں گے اور دوست وقت کا ضیاع کریں گے۔

طوطی نے سوداگر کو ایک دو نصیحتیں کیں اور پھر اس کو الوداع کہہ دیا۔ الوداع اے سوداگر تو نے مجھے قید اور تاریکی سے آزاد کر دیا۔ اب میں اپنے وطن کو جاتی ہوں۔ اللہ تجھے بھی کسی دن آزاد کرے۔ وہ طوطی خوشی خوشی اپنے اصل وطن ہندوستان کی طرف روانہ ہو گئی۔

سوداگر نے کہا کے یہ میرے لئے ایک اچھی نصیحت ہے۔ میں بھی اس طوطی کا راستہ اختیار کروں گا۔ میری روح اس طوطی سے کم نہیں۔ میری روح کو بھی اس جسم سے آزادی حاصل کرنا ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں طوطی سے مُراد انسان کی روح ہے اور پنجرے سے مُراد انسان کا جسم یا یہ دُنیا ہے۔ جس میں انسان قید ہے۔ جسم کی قید سے مُراد اس کی حیاتیاتی، ذہنی اور نفسیاتی حدود ہیں۔ اور دُنیا کی قید سے مُراد اس سیّارے زمین پر یا پھر نظامِ شمسی کے حوالے سے زندگی گذارنے کی حدود ہیں۔ جس میں انسان زندگی کے اس تصّور سے جو زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے نابلد ہے۔ طوطی کا مرنا یا مرنے کا بہانا کر کے پنجرے سے آزاد ہونا اس بات کا سبق ہے کہ ہمیں اپنی جسمانی اور دنیاوی حدود سے آگے بڑھ کر اپنی روحانی صلّاحیتوں کا ساتھ زندہ ہونا چاہیے۔ تاکہ ہم ابدی حیات کی سرحدوں کی طرف بڑھ سکیں۔

1.4 بڑی تنخواہ – اصل معاملہ وہی ہے جو جسم سے پہلے ہے

ایک بادشاہ نے اپنے غلاموں میں سے ایک غلام کو منتخب کیا اور اس پر خوب کرم نوازی کی۔ اس کو چالیس سرداروں کے برابر تنخواہ دی اور ایسا مرتبہ دیا کہ سو وزیروں کو ایک ساتھ بھی حاصل نہ ہو۔ گویا وہ اپنے نصیب کا ایاز اور بادشاہ اس کا محمود تھا۔

اس غلام کی روح بادشاہ کی روح کے ساتھ اس جسمانی ملاقات سے پہلے سے جڑی ہوئی تھی۔ حضرت مولانا رومیؒ فرماتے کہ اصل معاملہ وہی ہے جو جسم سے پہلے ہوا ہے۔ یہ دنیاوی تعلقات نئے پیدا ہوئے ہیں انہیں چھوڑ۔

ایک عارف کی آنکھ بڑا صحیح دیکھتی ہے۔ عارف کی آنکھ میں کچھ فرق نہیں ہے۔ اس کی پہلی نظر کھیتوں پر ہے۔ لوگوں نے گندم اور جَو بوئے ہیں، عارف کی نظر اس طرف ہے۔ رات جس سے حاملہ ہوئی ہے اس نے اس کے سوا نہیں جنا ہے۔ اس جگہ حیلے اور تدبیریں سب بے کار ہیں۔ اگر کوئی سینکڑوں گھاسیں اُگانے کی کوشش کرے آخر اللہ تعالیٰ کا بویا ہوا ہی اُگے گا۔ اپنی تدبیر کو دوست کے آگے ڈال دے۔ جب تو دوست کا پابند ہے تو جو بھی بوئے بس وہ اسی کے لئے ہی ہو۔

یوسفؑ کے حسن میں سارے عالم کا فائدہ تھا اگرچہ وہ بھائیوں کے لئے بے کار تھا۔ نیل کا پانی آب حیات سے بھرا ہوا تھا لیکن فرعون کے لئے وہ محض خون تھا۔ گدھے اور بیل کے لئے شکر کوئی چیز نہیں کیونکہ ہر جاندار کی اپنی اپنی خوراک ہے۔ اگر کوئی عادت کی وجہ سے مٹی کھاتا ہو اور اس کی وجہ سے درد ہو تو یہ اس کی اصلی خوراک نہیں۔ آفتاب کی غذا عرش کا نور ہے اور حاسد اور شیاطین کی غذا آگ اور دھواں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے دربار کے مخصوص لوگوں کی غذا حلق اور برتن کی محتاج نہیں۔ تو ہر شخص کی ملاقات سے کچھ نہ کچھ حاصل کرے گا۔ جب ایک ستارہ دوسرے ستارے کے قریب جاتا ہے تو اثرات پیدا ہوتے ہیں۔ مرد اور عورت کے ملنے سے انسان پیدا ہوتا ہے اور

پتھر اور لوہے کے ملنے سے چنگاریاں پیدا ہوتی ہیں۔ مٹی اور بارشوں کے ملنے سے سبزے پیدا ہوتے ہیں۔

تمام موجودات اسی باغ سے غذائے وجود حاصل کرتے ہیں۔ خواہ وہ برق ہو، عربی گھوڑے ہوں یا گدھے، لیکن اندھا گھوڑا اندھے پن سے چرتا ہے اس لئے وہ باغ کی حقیقت سے ناآشنا ہوتا ہے۔ جو سورج کا حاسد ہوتا ہے وہ سورج کے وجود سے اندھا ہوتا ہے۔ جس نے ازلی سورج کی نفی کی ہو اس کی تمنّا بھلا کب پوری ہو سکتی ہے۔ باز وہی ہے جو بادشاہ کے پاس واپس جائے۔ جو راستہ سے بھٹک گیا وہ اندھا باز ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ یہ سبق دیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ جو اس کائنات کا ازلی خالق ہے اس سے تعلق استوار کیے بغیر محض نئی نئی تدبیروں سے کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کر کے اور اس کی کائنات سے ہم آہنگی اختیار کر کے ہی ہم اپنی نجات کا راستہ بنا سکتے ہیں۔

1.5 بطخ کا بچہ – اپنی روحانی اصل کو پہچاننا ضروری ہے

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم تو بطخ کے انڈے سے ہے تیری اصل بطخ ہے اگرچہ تجھے گھریلو مرغی نے اپنے پَروں کے نیچے رکھ کے دایہ کی طرح پالا ہے۔ تیری ماں اُس دریا (عالم ارواح) کی بطخ تھی جبکہ تیری دایہ خاکی اور خاک پرست تھی۔ یہ تیرا مزاج جو تیرے دل میں دریا کی طرف جھکاؤ پیدا کرتا ہے یہ تمہاری ماں بطخ کی طرف سے ہے اور تیرا خشکی کی طرف کا میلان دایہ (مرغی) کی وجہ سے ہے۔

تجھے چاہیے کہ تو دایہ کو چھوڑ دے کیونکہ وہ تیری غلط راہ کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ تو دایہ کو خشکی پر چھوڑ کر بطخوں کی طرح حقیقت کے سمندر میں آجا۔ تو دایہ کے ڈرانے سے پانی سے نہ ڈر بلکہ جلدی سے سمندر میں کود جا۔ تو ایسی بطخ ہے کہ خشکی اور تَری دونوں تیرے لئے بنے ہیں تو مرغی نہیں کہ بس خشکی کے گھر میں قید رہ جائے۔

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىٓ ءَادَمَ" اور بنی آدم کے پاس "کرمنا" کا اعزاز اس وجہ سے ہیکہ وہ خشکی اور پانی دونوں میں اپنے پاؤں رکھتا ہے۔ حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں قرآن کے الفاظ "حَمَلْنَٰهُمْ فِى ٱلْبَحْرِ" کے الفاظ تیری روح کی استعداد کا مصداق ہیں اس لئے تجھے "حَمَلْنَٰهُمْ فِى ٱلْبَرِّ" خشکی پر چلنے کو اب پیچھے چھوڑ دینا چاہیے۔ فرشتوں کی منزل خشکی نہیں ہے اور حیوان کی جنس سمندر سے آگاہ نہیں ہے۔ اے انسان تو حیوانی اعتبار سے حیوان اور روحانی اعتبار سے فرشتوں کی طرح ہے تاکہ تو زمین اور آسمان دونوں پر چل سکے۔

حضرت مولانا رومیؒ رومؒ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں جو نبی پاک ﷺ کے لئے آیا ہے کہ "أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" تو یہ جسم کے اعتبار سے ہے لیکن اس آیت کا اگلا قصہ "يُوحَىٰٓ إِلَيَّ" کہ میری طرف وحی آتی ہے کہ آپ کا یہ تعلق عالم بالا سے ہے۔

آدمی نیچے زمین پر چل رہا ہوتا ہے اور اس کی روح آسمان پر گردش کر رہی ہوتی ہے۔ ہم سب پانی کے پرندے ہیں اور سمندر ہماری زبان سمجھتا ہے۔ سمندر سلیمانؑ کی طرح ہے اور ہم پرندوں کی طرح ہیں۔ ہم سلیمانؑ کے لشکر کا حصّہ ہیں اسلئے تو سلیمانؑ کے ساتھ دریا میں پاؤں رکھ دے تاکہ دریا کا پانی حضرت داؤدؑ کی طرح تیرے لئے سینکڑوں زرہیں بنا دے۔ حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں وہ سلیمانؑ (دریائے معرفت) سب کے سامنے موجود ہے لیکن ہم اس دریائے معرفت سے ناآشنا ہیں۔ اپنی غفلت اور کج فہمی کی وجہ سے اس سے دور ہیں جب کہ وہ ہمارے سامنے ہے۔

بادل کے گرجنے سے پیاسے کے سر میں درد ہوتا ہے کیونکہ اس کی آنکھ کسی زمینی نہر پر اٹکی ہوتی ہے اور وہ یہ نہیں جانتا کہ یہ بادلوں کی گرج کسی مبارک ابر کے برسنے کی نوید ہے۔ وہ پیاسا آسمان کے پانی کے ذوق سے محروم ہے۔ اس نے اپنی توجّہ کی گاڑی اسباب کی طرف دوڑا دی ہے اور یوں سبب پیدا کرنے والے سے محروم ہو گیا۔ جو سبب پیدا کرنے والے کو عیاں دیکھتا ہے وہ دنیا کے ظاہری اسباب سے کب دل لگاتا ہے۔ مسبب الاسباب کی طرف نظر کرنے والے تھوڑے سے عرصے میں جو پالتے ہیں اسباب پہ بھروسہ کرنے والے سو سال میں بھی نہیں پا سکتے۔

خلاصہ

اِس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ بتاتے ہیں کہ اگرچہ انسان کی روحانی اصل عالم الارواح سے ہے لیکن اِسکا زمینی جِسم اسکو اپنے حصار میں لے لیتا ہے اور وہ اپنے آپ کو زمینی سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ جیسے وہ بطخ کا بچہ جس کے انڈے کو مرغی نے سیا تھا خُود کو مُرغی کا بچہ سمجھنے لگا تھا۔ انسان کی روح گاہے بگاہے اسے روحانی ہونے کا احساس دلاتی رہتی ہے اور بحر حقائق علوی میں تیرنے کی طرف راغِب کرتی رہتی ہے۔ ایسے ہی جیسے

اِس بطخ کے بچے کو دریا کا پانی اپنی طرف کھینچتا تھا لیکن مرغی کی معیّت اسے خشکی کی قید میں رکھنا چاہتی تھی۔ ایک کامیاب اِنسان وہی ہے جو اپنے آپ کو زمینی گرِفت سے بتدریجاً آزاد کرے اور اپنی روح کو ترقّی دیتے ہوئے آسمانی حقائق کے بحر میں تیرنے والا بن جائے۔

2 اللہ تعالیٰ کی تلاش

یک سر انگشت پردۂ ماہ شد
وین نشان ساتری شاہ شد

انگلی کے ایک پوٹے سے چاند چھپ جاتا ہے
ایسے ہی لوگوں سے اس کائنات کا بادشاہ پوشیدہ ہے

2.1 قیصر روم کا ایلچی - اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ روم کے بادشاہ کے ایلچی کے قصّہ میں ایک راز پوشیدہ ہے۔ جب وہ قاصد لمبا سفر کر کے مدینہ پہنچا تو لوگوں سے پوچھا کہ شاہی محل کہاں ہے اسے حضرت عمرؓ سے ملنا ہے مدینہ کے لوگوں نے بتایا کہ ایسا کوئی محل تو مدینہ میں نہیں ہے اور نہ ہی عمرؓ کسی ایسے محل میں رہتا ہے اگرچہ ان کی بڑی شہرت ہے لیکن ان کا کوئی محل نہیں بلکہ عام لوگوں کی طرح رہتے ہیں۔ لوگوں نے اس ایلچی سے کہا تُو انہیں کیسے دیکھ سکتا ہے۔ تیری آنکھ میں وسوسوں کے پردے ہیں، پہلے اپنے آپ کو ان وسوسوں سے پاک کر، پھر ہی تو عمرؓ جیسی روشن جان کو دیکھ سکتا ہے۔

اس واقعہ سے قیاس کرتے ہوئے حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ محمدؐ کی جان آگ اور دھوئیں سے پاک ہو گئی تو وہ جدھر بھی رُخ کرتے تھے انہیں خدا کی ذات ہی نظر آتی تھی۔ جب کسی کے سینے کا دروازہ کھل جائے تو اسے ہر ذرّے میں آفتاب نظر آتا ہے۔ دوسروں کے درمیان اللہ اس طرح ہے جیسے ستاروں کے درمیان چاند۔ اگر اپنی آنکھوں پر انگلیاں رکھنے سے ہمیں دنیا نظر نہیں آتی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ دنیا موجود نہیں ہے جب ہم اپنی آنکھوں سے انگلیاں ہٹالیں گے اور دل سے وسوسے نکال دیں گے تو ہمیں حقیقت ضرور نظر آئے گی۔ لیکن اگر ہم روم کے قاصد کی طرح محل ہی تلاش کرتے رہیں گے تو نہ ہمیں محل ملے گا اور نہ ہی عمرؓ۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ سبق دیتے ہیں کہ بندے اور خدا کے درمیان حجاب دراصل بندے کی طرف سے ہے نہ کہ خدا کی طرف سے۔ یہ انسان ہے جس نے اپنے اوپر پردے ڈال رکھے ہیں ورنہ خدا تو ہر جگہ موجود ہے۔

2.2 جو اللہ کا ہو گیا – فیض کا تسلسل حقیقی ہے

حدیث شریف ہے کہ جو اللہ کا ہو گیا تو اللہ اس کا ہو گیا۔ جو کوئی عشق کی وجہ سے اللہ کا بن جاتا ہے تو پھر اس کا جواب یہی ہے کہ اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک اور حدیث میں ہے کہ میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں، اس کی آنکھیں اور کان بن جاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو تمام اسماء سکھائے اور پھر باقی لوگوں نے آدمؑ سے وہ اسماء سیکھے۔ یوں تو اللہ کا نور ہر جگہ موجود ہے لیکن چراغ سے چراغ جلتا ہے۔

پانی خواہ نہر سے لیا جائے یا مٹکے سے۔ مٹکے کا پانی بھی تو نہر سے ہی ہے۔ روشنی سورج سے لی جائے یا چاند سے، چاند کی روشنی بھی تو سورج سے ہی ہے۔ روشنی ستارے سے بھی لے لینی چاہیے کہ نبیؐ نے فرمایا میرے صحابی ستاروں کی مانند ہیں۔ مصطفیؐ نے فرمایا اس کے لئے خوشخبری ہے جس نے میرا چہرہ دیکھا کہ اس نے میرے چہرے کے ذریعے خدا کا چہرہ دیکھا۔ جب چراغ نے شمع سے روشنی حاصل کر لی تو جس نے چراغ کو دیکھا یقیناً اس نے شمع کو دیکھا اور اگر وہ روشنی سو چراغوں میں منتقل ہوئی تو آخری چراغ کو دیکھنا بھی گویا اصل روشنی سے ملاقات ہے۔ جب تو آخری چراغ سے بھی روشنی لے تو اس کو پہلے چراغ کی روشنی ہی سمجھ اور دونوں روشنیوں میں فرق نہ کر۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں بتاتے ہیں کہ اللہ کا نور ہر جگہ موجود ہے۔ آخری شمع کی روشنی بھی پہلی شمع کی روشنی سے مستعار ہے۔ یوں اللہ کے کسی ولی سے استفادہ کرنا انسان کو اللہ تعالیٰ سے ملانے کا سبب بنتا ہے۔

2.3 رب کی خوشبوئیں – شکر بن جانے پر مٹھاس اپنی ہو جاتی ہے

حدیث مبارک ہے کہ تمہارے رب کی تمہارے زمانے میں خوشبوئیں ہیں۔ آگاہ، ان سے وابستہ ہو جاؤ۔ ہوش کے کان لگائے رکھو اور یہ خوشبوئیں حاصل کر لو۔ جو غافل رہا، خوشبو آئی اور چلی گئی۔ جس نے دل سے چاہا تو اس خوشبو نے اسے ایک نئ جان بخش دی۔ جہنّمی نے اس خوشبو سے اپنی آگ کو بجھا لیا اور مردے نے اس خوشبو کے اثر سے وجود کا لباس پہن لیا۔

ہم اس خوشبو سے ضرور مستفید ہو سکتے ہیں لیکن ہمارا لقمان لُقمے کی قید میں چلا گیا ہے۔ لُقمے کی خواہش میں یہ بے قراری ہمیں اس کیفیت سے دور کرتی ہے جس کیفیت میں ہم رحمٰن کی خوشبو دار ہوا سے اپنی جان اور روح کو فائدہ دے سکیں۔

لقمان کے تلوے کے نیچے سے کانٹا نکال لینا چاہیے تو جسے کھجور سمجھا ہوا ہے دراصل یہ کانٹا ہے اور تیری حوّس اسے کھجور دکھا رہی ہے۔

اصل میں کانٹا کھانے والا اونٹ یہ تیرا جسمانی وجود ہے اور تو مصطفٰی زادہ اور اس اونٹ کا سوار ہے۔ اے اونٹ تیرے اوپر پھولوں کی گٹھڑی ہے۔ جس کی خوشبو سے تیرے اندر سو قسم کے باغ اُگے ہیں۔ لیکن تیرا میلان کیکر اور ریت کی طرف ہے۔ تو ان کانٹوں سے کیا پھول چُنے گا۔

آدمی کی اصل جان وہ روح ہے جو کبھی ایسے اور کبھی ویسے نہیں ہوتی۔ وہ نہ مذکر ہے نہ مؤنث ہے۔ وہ خوش کرنیوالی ہے، خوش ہے اور مجسّم خوشی ہے۔ اگر تو شکر کی وجہ سے میٹھا ہے تو شکر چلے جانے سے تو مٹھاس سے محروم ہو جائے گا۔ لیکن اگر عشق و وفا کی تاثیر سے تو خود ہی شکر بن جائے تو پھر تجھ سے مٹھاس کون چھین سکتا ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ بتاتے ہیں کہ اپنے لقمان کو لقمے کی حرص سے دور رکھ، اس کے تلوؤں سے خواہشات کے کانٹے نکال اور وفادار بن کر رحمٰن کی خوشبوؤں کی تاثیر سے خود کو شکر بنا کر اپنی مٹھاس کو امر کر لے۔

2.4 پانی کا مٹکا – بندے اور خدا کے ظرف میں فرق

ایک عورت نے اپنے خاوند سے کہا کہ جنگل کی بارش کے پانی سے بھرا ہوا یہ مٹکا لے جا اور بغداد کے بادشاہ جو کہ دجلہ و فرات کا بادشاہ ہے اس کے حضور ہدیے کے طور پر پیش کر دے۔ بادشاہ سے کہنا تیری ملکیت اور اسباب بے حساب ہیں۔ تیرا خزانہ موتیوں سے بھرا ہوا ہے لیکن ہمارے پاس اس مٹکے کے پانی کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ جنگل میں اس سے اچھا پانی نہیں ہے تو اسے قبول کر لے۔

یہ مٹکا ہمارا جسم ہے اس کے اندر پانی ہمارے حواس ہیں اے خدا ہمارے اس مٹکے اور کوزے کو قبول کر۔ ہمارے اس پانچ ٹوٹیوں والے کوزے کو جو کہ پانچ حواس ہیں اس کوزے کے پانی کو ہر قسم کی نجاست سے پاک رکھ۔ تا کہ اس کوزے کو دجلہ و فرات کے ساتھ نسبت ہو جائے اور یہ دجلہ و فرات کی خصلت اختیار کر لے۔ دجلہ سے نسبت اختیار کرنے کے بعد اس مٹکے کا پانی بے انتہا ہو جائے گا اور اس کوزے سے سو جہان بھر جائیں گے۔ اپنے کوزے کی ٹوٹیاں بند کر یعنی اپنی خواہشات نفسانی پہ قابو رکھ۔ پھر اسے بادشاہ کے پاس لے جا اور بادشاہ کا کاروبار دیکھ۔ "تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ" کا حسن دیکھ۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں سبق دیتے ہیں کہ ہمارے پاس جو کچھ استعداد کے حوالے سے ہے، بہت کم ہے لیکن بہر حال ہمیں اس سب کچھ کو عاجزی کے ساتھ اپنے رب کے حضور پیش کر دینا چاہیے۔ پھر اس کے بعد رب کی عطا ہماری استعداد کے حساب سے نہیں اس کے اپنے پیمانے سے ہو گی جس کا کوئی حساب نہیں۔

2.5 عاشق اور دیوار – مجاز سے حقیقت کی طرف بڑھنا ضروری ہے

ایک احمق نے دیوار پر سورج کی روشنی دیکھی تو وہ دیوار کا عاشق ہو گیا۔ اس نے چمکتے ہوئے سورج کی روشنی میں یہ سمجھنے کی کوشش ہی نہ کی کہ یہ روشنی دیوار کی نہیں بلکہ سورج کی ہے جو چوتھے آسمان پر ہے۔ اور سورج کے چلے جانے کے بعد یہ دیوار اندھیرے میں گم ہو جانے والی ہے۔ چنانچہ جب سورج کی روشنی واپس سورج میں چلی گئی تو وہ احمق شخص محروم رہ گیا۔

مجاز کا عاشق اس شکاری کی طرح ہے جو سائے کو پکڑے ہوئے ہے۔ جیسے کہ کسی شکاری نے کسی پرندے کے سائے کو مضبوطی سے پکڑ رکھا ہو اور درخت پر حیران بیٹھا ہو۔

اگر کوئی یہ کہے کہ جزو، کل سے وابستہ ہے تو اسے چاہیے کہ کانٹا کھالے کیونکہ وہ پھول سے وابستہ ہے۔ یاد رکھو ہر جزو پوری طرح کل سے ملا ہوا نہیں ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کا رسولوں کو بھیجنے کا کیا مقصد تھا۔ رسول ملانے کے لئے آتے ہیں جب سب ایک ہیں تو پھر رسول کس چیز کو ملائیں گے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ انسان کو حقیقت اور حقائق کا طالب اور کل اور جزو کو پہچاننے والا ہونا چاہیے۔ ساری عمر مجاز کے ساتھ گذار دینا اور حقیقت سے نا آشنا رہنا گھاٹے کا سودا ہے۔

2.6 مالک اور چور – افعال اور صفات سے آگے ذات کی معرفت ہے

ایک شخص کے گھر میں چور گُھس آیا۔ اس نے اسے دیکھا تو اسے پکڑنے کے لئے اس کی طرف لپکا۔ چور نے دوڑ لگا دی اور یہ آدمی اس کے پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ چور اور مالک دونوں ہانپ رہے تھے۔

مالک چور کے اتنا نزدیک پہنچ گیا کہ بس اسے پکڑنے ہی والا تھا کہ اسے ایک طرف سے آواز آئی۔ اسے چھوڑ میری طرف آمیں تمہیں چور کا سراغ بتاتا ہوں تاکہ تو نقصان سے محفوظ رہے۔

اس نے جب یہ آواز سنی تو رک گیا اور اس دوسرے شخص کی طرف متوجّہ ہو گیا اور اسے کہا بتاؤ کہاں ہے چور۔ اس نے کہا یہ دیکھو چور کے پاؤں کے نشان۔ وہ ضرور اس رستے سے گیا ہے۔ ان نشانوں سے چور کا پتا لگایا جا سکتا ہے۔ اس پر وہ مالک غصّے میں آ گیا۔ اس نے کہا اے بے وقوف میں تو اس چور کے بہت قریب پہنچ گیا تھا اور اسے دبوچنے ہی والا تھا کہ تو نے مجھے آواز لگا دی اور اب تو مجھے محض اس کے پاؤں کے نشان دکھا رہا ہے کہ میں ان نشانوں سے اس کا پتا لگاؤں۔

یہ کیا بکواس ہے۔ میں نے تو اصل کو پکڑ لیا تھا۔ یہ نشان کیا چیز ہے۔ تو سبب کی بات کرتا ہے میں تو اصل تک پہنچ گیا تھا۔ میں تو اسباب سے آگے نکل کر حقیقت تک پہنچ گیا تھا۔

اعمال وہ دیکھتا ہے جس کو صفات نظر نہ آتی ہوں۔ اور صفات وہ دیکھتا جسے ذات نظر نہ آتی ہو۔ اے بیٹے واصلین جو ذات میں غرق ہیں وہ صفات کو کب دیکھتے ہیں۔ جس کا سر پانی کی نہر کی تہہ میں ہو وہ پانی کا رنگ کب دیکھتا ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا سفر کرنے والوں کو اسباب اور افعال سے آگے بڑھتے ہوئے، صفات سے گزرتے ہوئے ذات کی معرفت تک پہنچنے کا سبق دیتے ہیں۔

2.7 گم شدہ اونٹ – خدا شناسی کے میدان میں سب برابر نہیں

ایک شخص کا اونٹ گم ہو گیا۔ وہ ہر طرف دوڑ کر اِسے تلاش کر رہا تھا۔ قافلے والے ادھر آ پہنچے تھے اور وہ بھی اپنے سامان کے ساتھ مکمل تیار تھا کہ ان کے ساتھ اپنا سامان اونٹ پر لاد کر ان کے ساتھ ہو لے مگر اس کا تو اونٹ ہی گم تھا اور وہ اس کی تلاش میں ہانپ رہا تھا۔

قافلہ چل پڑا اور رات نزدیک تھی۔ اس کا سامان زمین پر پڑا تھا اور وہ اِدھر اُدھر بھاگ کر اونٹ تلاش کر رہا تھا۔ وہ ہر شخص سے اس کا پتا پوچھتا کہ کیا کسی نے اسے دیکھا ہے جو بتائے گا میں اسے انعام دوں گا۔۔ کئی کمینے لوگ اس کا مذاق بھی اُڑاتے۔ کوئی ایسے ہی کہتا کہ ہاں اس طرف گیا ہے۔ کوئی کہتا کہ ہاں اس کا رنگ سُرخ تھا وہ تو اس طرف گیا ہے۔ کوئی کہتا کہ اس نے ایک کانا اونٹ دیکھا ہے کوئی کہتا کہ ہاں وہ خارش زدہ بے اون تھا۔ کسی نے انعام کی خاطر اور کسی نے گپ شپ میں مختلف نشانیاں بتائیں۔

جس شخص کا اونٹ گم ہوا تھا اسے اچھی طرح پتا تھا کہ اس کے اونٹ کی کیا نشانیاں ہیں اور یہ بھی جانتا تھا کہ یہ کم ظرف لوگ ایسے ہی مختلف قسم کی نشانیاں تراش رہے تھے۔ کچھ لوگ اس کے اونٹ کی قریب قریب کی نشانیاں بھی بتاتے تھے جس سے اسے تسّلی ہوتی تھی۔ دراصل وہ ایک ہی اونٹ ہے، دو اونٹ نہیں ہیں اس لئے اس کی نشانیوں میں اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ یہ سبق دیتے ہیں کہ خدا شناسی میں بھی بعض لوگ محض جہل پر کھڑے ہیں اور بعض معرفت کے میدان میں ذوق و شوق سے داخل ہوتے ہیں اور وہ خدا کے وجود کے قریب کی نشانیاں بھی دیکھتے ہیں اور یوں انہیں اللہ تعالیٰ کی بھرپور معرفت حاصل ہوتی ہے۔

2.8 اوس اور خزرج – دوئی سے یکتائی کا سفر ضروری ہے

اوس اور خزرج دو قبیلے اسلام لانے سے قبل ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ حضورؐ کی تربیّت سے وہ دونوں قبیلے آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ پہلے تو وہ بھائی بھائی بنے پھر اس کے بعد یک جان ہو گئے۔ جیسے انگور آپس میں گچھے پر بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ لیکن جب ان کا شیرہ بنایا جاتا ہے تو یہاں پر وہ یک جان ہو جاتے ہیں۔

کچا اور پکا انگور ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جو انگور پک جاتا ہے وہ پکے ہوئے انگوروں کا دوست بن جاتا ہے۔ لیکن جو انگور کچا ہی خشک ہو جائے تو اس کی مثال ازلی کافر کی سی ہے۔ حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں میں ازلی کافر پہ زیادہ گفتگو نہیں کروں گا کیونکہ دوزخ کا دھواں جنت کے باغوں سے دور ہی رہے تو بہتر ہے۔

پس انگور پک جانے پر چھلکا پھاڑ دیتے ہیں تاکہ سارا شیرہ ایک ہو جائے اور یہ وحدت کی صفت ہے۔ دراصل عشق ہی وہ استاد ہے جو اس مقام وحدت پہ پہنچاتا ہے۔ سلیمانؑ (ہدایت کا نور) اب بھی موجود ہے لیکن ہم اپنی دنیاوی تمناؤں میں لگے ہوئے ہیں۔ ہم دنیا کے امور کی گرہ کشائی میں لگے ہیں۔ اس پرندے کی طرح جو جال میں ہے اور ایک گرہ کھولتا ہے اور ایک گرہ لگاتا ہے، تاکہ وہ اپنے فن میں ماہر ہو جائے۔ اس پر پرندے کی عمر انہی گرہوں کے چکر میں صَرف ہو جاتی ہے۔ اور وہ جنگل اور سبز زاروں سے محروم رہ جاتا ہے۔ وہ جال سے نکل نہیں سکتا۔ اور اس کے بال و پر شکستہ ہو جاتے ہیں۔

لاکھوں پرندوں کے پَر ٹوٹ گئے لیکن وہ حوادث بند نہ کر سکے۔ ترکی، رومی اور عربی کی لڑائی سے انگور کا مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ جب تک سلیمان نہ آ جائے یہ دوئی ختم نہیں ہوتی۔ وہ پرندہ جو سلیمان کے بغیر چلتا ہے وہ چمگادڑوں کی طرح اندھیرے میں بھٹکتا رہتا ہے۔ اے مردود چمگادڑ سلیمان کے ساتھ رہ تاکہ تو اندھیرے سے نجات پائے اور

روشنیوں سے ہمکنار ہو۔ اگر کوئی لولا لنگڑا بھی اس کی طرف چل رہا ہے تو اس لولے لنگڑے پن سے نجات پا کر ضرور منزل پر پہنچے گا۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ دوئی کو چھوڑ کر ایک ہونے کا درس دیتے ہیں جیسے پکے ہوئے انگور شیرے میں بدل کر ایک ہو جاتے ہیں۔ اس حکایت کا دوسرا سبق یہ ہے کہ ہم جیسے پرندوں کو اکیلے اُڑنے کی بجائے کسی سلیمان کی مجلس میں پہنچنا چاہیے جو ہمیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں داخل کرے۔

3 نفس کے دھوکے

گاؤ نفس خویش را زوتر بکش
تا شود روح خفی زندہ بُہش

اپنی نفس کی گائے کو جلدی زبح کر دو
تا کہ تمہاری چھپی ہوئی روح زندہ ہو جائے

3.1 یہودی بادشاہ – نفس کا روح کے خلاف تعصّب

اس طویل حکایت میں ایک یہودی بادشاہ کا قصّہ تمثیل کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ بادشاہ اور اس کا ایک وزیر عیسائیوں کو گمراہ کرنے کے لئے ایک سازش تیار کرتے ہیں۔ اس سازش پر عمل کرتے ہوئے بادشاہ وزیر کے ناک اور کان چیر کر باہر پھینک دیتا ہے۔ یہ چونکہ ایک مشہور وزیر ہوتا ہے اس لئے جب یہ عیسائیوں کو بتاتا ہے کہ اسے اس بنا پر سزا ملی ہے کہ وہ اندر سے عیسائی ہے تو سب عیسائی اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ یوں وہ یہودی وزیر عیسائیوں کا رہبر بن کر ان کی تعلیمات میں بگاڑ پیدا کرتا ہے۔ وہ ان کے بارہ گروہوں کے ہر امام کو ایک مختلف سبق دیتا ہے اور اسے باقیوں سے الگ کر کے اس بات کا ادراک کرواتا ہے کہ اس کے بعد نصاریٰ کی جماعت کا حقیقی جانشین وہ ہی ہے۔ ایک دن یہ یہودی وزیر چپکے سے اپنی جان لے لیتا ہے اور اس کے بعد جانشینی کی جنگ میں سب عیسائی فرقے آپس میں لڑ پڑتے ہیں جس میں ہزاروں لوگ مارے جاتے ہیں۔

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمارے نفس کے اس دھوکے کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو ہمیں تعصّب اور تفرّقے کی طرف راغب کرتا ہے۔ ہم روح اور روحانی حقیقت کو پہچاننے کی بجائے اپنی ظاہری زندگی کی چمک دھمک پر اصرار کرتے ہوئے اپنے روحانی حواس اور استعداد کے خلاف کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایسا کرنے سے ہم اپنی روحانی جہت کے سفر میں بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں ہمارے نفس کی اس چال سے آگاہ کرتے ہیں جو کسی متعصّب نظریے کا روپ دھار لیتا ہے اور اسی تعصّب کی بنا پر وہ ہمارے روحانی اعمال اور اقدار کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ ہمیں نفس کی ایسی چالوں سے بچنے کا پورا اہتمام کرنا چاہیے۔

3.2 ابو جہل اور کنکر – کافر معجزے کا انکار کرتا ہے

ابو جہل کی مُٹھی میں چھوٹے چھوٹے کنکر تھے وہ نبی پاکؐ کے پاس آیا اور بولا بتائیں کہ میری مٹھی میں کیا ہے۔ اگر آپؐ آسمانوں کے رازوں کی خبر رکھتے ہیں اور اگر آپ رسول ہیں تو بتائیں کہ میری مُٹھی میں کیا ہے۔

اس پر آپؐ نے فرمایا تو کیا چاہتا ہے میں بتاؤں کہ تیری مٹھی میں کیا ہے یا پھر جو کچھ تیری مٹھی میں ہے وہ بتائے کہ ہم کون ہیں۔ ابو جہل نے کہا یہ دوسری بات تو زیادہ عجیب اور دلچسپ ہے۔ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات بہت طاقت رکھنے والی ہے۔ آپؐ نے فرمایا تیرے ہاتھ میں پتھر کے چھ ٹکڑے ہیں اور اب تو ہر ٹکڑے سے تسبیح سنے گا۔ پھر پتھر کے ہر ٹکڑے نے کلمہ شہادت پڑھا۔ لا الہ الا اللہ کہا اور پھر محمد الرسول اللہ کا ورد کیا۔

ابو جہل نے جب پتھروں سے یہ کلمات سنے تو غصّے سے ان کو زمین پر پٹخ دیا۔ ابو جہل بولا اے محمد تُجھ جیسا کوئی جادوگر میں نے آج تک نہیں دیکھا، تُو تو جادوگروں کا بھی اُستاد ہے۔ ابو جہل یہ معجزہ دیکھ کر جل گیا۔ وہ رسول خدا ﷺ کے پاس سے پلٹ کر واپس اپنے گھر کی طرف چلا گیا۔ وہ بدبخت اور پست فطرت تھا اور یوں اندھے کنویں میں جا گرا۔ معجزہ دیکھ کر وہ مزید بدبخت اور سخت دل ہو گیا وہ مزید تیزی کے ساتھ کفر اور بے دینی کے رستے پر گامزن ہو گیا۔ اس کے سر پر خاک کہ وہ اندھا اور ملعون ہے۔ بدبخت لوگ معجزہ دیکھ کر ایمان قبول کرنے کی بجائے اپنے کفر پر مزید پختہ ہو جاتے ہیں اور یوں جہالت اور شقاوت کے اندھے کنویں میں جا گرتے ہیں۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ یہ بتاتے ہیں کہ ایسے لوگ جو فطرتاً بدبخت ہوتے ہیں وہ معجزہ یا کرامت دیکھ کر اپنے کفر پر مزید پکے ہو جاتے ہیں۔

3.3 صالحؑ کی اونٹنی – شہوات کی جسم اور روح کی مخالفت

حضرت صالحؑ کی اونٹنی بظاہر ایک عام اونٹنی کی طرح نظر آتی تھی۔ حضرت صالحؑ کی قوم کے لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے اس اونٹنی کے دشمن ہو گئے تھے اور اس کے پاؤں کاٹ دیے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تھی جو بادلوں سے برسنے والے پانی کی نہر سے پانی پیتی تھی۔ اس جاہل قوم نے اللہ تعالیٰ کا پانی اللہ تعالیٰ کی اونٹنی سے روکا تھا۔

حضرت صالحؑ کی اونٹنی کی مثال نیکوں کے جسم کی ہے جو بدبختوں کی ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔ دیکھو ان کا انجام کیا ہوا اللہ کی ایک اونٹنی کے خون کے بدلے میں خدا کے قہر نے اس پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

انسان کی روح صالحؑ کی طرح ہے جو کہ اونٹنی جیسی چیز پر سوار ہے اور گمراہ نفس اس کے پاؤں کاٹنے کے درپے ہے۔ روح جو بمنزلہ صالحؑ ہے وہ مصائب کو قبول نہیں کرتی بلکہ مصائب اونٹنی یعنی جسم پر آتے ہیں روح اللہ کا نور ہے اور کافر اس کو تکلیف نہیں پہنچا سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے روح کو جسم کے اندر پیوست کر دیا ہے۔ یوں جب کافر مسلمان کے جسم کو ستاتے ہیں تو یہ ستانا اللہ کو ستانا ہے (معاذاللہ) کیونکہ اس مٹکے کا پانی نہر کے پانی سے وابستہ ہے۔ روح کو بہر حال کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ تکلیف سیپ کو پہنچتی ہے موتی کو نہیں۔ اے بندے تو ولی کے جسم کی اونٹنی کا غلام بن جا، تاکہ تجھے روح صالحؑ کے ساتھ موافقت پیدا ہو۔

حضرت صالحؑ نے اپنی قوم کو فرمایا کہ تمہارے اس کام کی وجہ سے تین دن کے بعد تمہارے اوپر عذاب آئے گا۔ پہلے دن تمہارے چہرے زرد ہوں گے، دوسرے دن سرخ اور تیسرے دن سیاہ۔ اگر تم اس دھمکی کی نشانی چاہتے ہو تو اونٹنی کے بچے کو پکڑ کر دکھاؤ اگر تم اس کو پکڑ نہ سکے تو سمجھ لو کہ بچنے کی کوئی تدبیر نہیں وہ سب اونٹنی کے بچے کی طرف دوڑے لیکن اسے پکڑ نہ سکے اور وہ پہاڑ میں چھپ کر غائب ہو گیا۔

یوں وہ قوم عذاب کی مستحق ٹھہری، ان پر عذاب آیا اور سارا شہر نیست و نابود ہو گیا۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمارے نفس کی اس حقیر عادت کی طرف توجہ دلاتے ہیں جس میں وہ اپنی دنیاوی خواہشات کی تکمیل کی خاطر روح کی ترقی کی راہ میں حائل ہو جاتا ہے۔ اس حکایت میں اونٹنی کی کونچیں کاٹنا دراصل صالحؑ کا انکاری ہونا ہے۔ صالحؑ سے مراد روح اور اونٹنی سے مراد وہ جسم ہے جو ہماری روح کی ترقی کے لئے ضروری ہے۔

3.4 کاتب وحی – خود پسندی تباہی کو جنم دیتی ہے

حضرت عثمانؓ سے پہلے ایک کاتب وحی تھا۔ جب نبیؐ پر وحی نازل ہوتی اور وہ لکھواتے تو وہ اس کو ورق پر لکھ لیتا۔ ایک دفعہ اس پر وحی کا پیشگی عکس پڑا تو اس نے اپنے اندر حکمت محسوس کی۔ پھر نبی پاکؐ نے اسی حکمت کے موافق وحی لکھنے کا حکم فرمایا۔

اس پر وہ بے وقوف گمراہ ہو گیا۔ اسے یہ خیال ہوا کہ رسول پاکؐ جو فرماتے ہیں اس کی حقیقت اس کے دل میں بھی ہے۔ حالانکہ یہ تو محض رسول پاکؐ کے قریب ہونے کی وجہ سے اس پر وحی کا عکس پڑا تھا۔

جب رسولؐ کے دل پر اس کے اس گمراہ خیال کا عکس پڑھا تو اس کاتب وحی پر اللہ کا قہر نازل ہو گیا۔ اس کا دل حکمت سے بالکل خالی ہو گیا۔ وہ وحی کی کتابت سے بھی گیا اور دین سے بھی۔ وہ اپنے اندر موجود کینہ کی وجہ سے نبی پاکؐ اور دین کا دشمن بن گیا۔ اگر وہ اللہ کے نور کا چشمہ ہوتا تو یوں اس سے سیاہ پانی کا چشمہ نہ بہتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کے گلے میں طوق ہیں۔ یہ طوق بیرون میں نظر نہیں آتے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے آگے اور پیچھے دیوار ہے اور وہ دیکھ نہیں سکتے۔ یہ دیواریں بھی بظاہر نظر نہیں آتیں۔ بہت سے ایسے کافر ہیں جن کو دین کی لگن ہے لیکن ان کے طوق اور دیواریں ان کے رستے میں حائل ہیں۔ میں اس کی تفصیل کو روکتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ مایوسی نہ پیدا ہو جائے۔ ناامید نہیں ہونا چاہیے بلکہ اپنے آپ کو خوش رکھ کر فریاد سننے والے کے سامنے فریاد کرنی چاہیے کہ اے معافی کو پسند کرنے والے ہمیں معاف کر دے۔ حکمت کے عکس نے اس بدنصیب کاتب وحی کو گمراہ کر دیا۔ اس لئے خود پسندی سے اجتناب کرنا چاہیے تاکہ تباہی سے بچا جاسکے۔

اے بھائی، تیرے دل میں جو حکمت جاری ہے یہ تیرے پاس عارضی ہے۔ یہ اصل میں کسی ابدال (اللہ کے ولی) کی حکمت ہے۔ گویائی، آنکھ اور کان روح کے زیر اثر ہیں۔ پانی

میں جوش آگ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جس طرح روح کا اثر تیرے جسم پر ہے ایسے ہی ابدال کا اثر تیری روح پر ہے۔

اے بوالھوس اللہ کے ولیوں کا مقابلہ نہ کر۔ بادشاہ کے آگے گھوڑے دوڑانا صریحاً گستاخی ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں اس بات سے آگاہ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے کسی خاص بندے کی مجلس میں بیٹھتے ہیں تو ہمارے اوپر اس کے نیک خیالات کا عکس پڑھتا ہے۔ ایسے میں ہمیں خود اپنے نیک ہونے کا گمان نہیں کرنا چاہیے ورنہ ہم دھوکے میں پڑ جائیں گے۔

3.5 بہرے کی عیادت – ظاہری حواس دھوکہ دیتے ہیں

کسی نے ایک بہرے کو بتایا کہ جا تیرا پڑوسی بیمار ہے اسکی بیمار پرسی کر۔ کانوں سے بہرے نے بیمار پرسی پر جانے سے پہلے سوچا کہ میں اسے کہوں گا کیا حال ہے، تو وہ کہے گا کہ میں ٹھیک ہوں، تو اس کے بعد میں کہوں گا شکر ہے۔ پھر میں پوچھوں گا کیا کھایا ہے، تو وہ کہے گا کہ سوپ پیا ہے، تو میں کہوں گا کیا ہی اچھا کھانا ہے۔ پھر میں پوچھوں گا کہ کونسے طبیب سے علاج کرا رہے ہو، اس پر وہ کسی طبیب کا نام لے گا اور میں کہوں گا بہت اچھا علاج کرتا ہے۔

یوں وہ بہرا بیمار پرسی کے لئے گیا، اس نے پوچھا کیا حال ہے تو مریض نے کہا کہ مر رہا ہوں، اس پر پہلے سے قیاس کرتے ہوئے بہرے نے کہا شکر ہے۔ پھر پوچھا کیا کھایا ہے، مریض نے کہا زہر، بہرے نے جواب دیا بہت اچھا کھانا ہے۔ پھر بہرے نے پوچھا کونسا طبیب علاج کر رہا ہے، مریض نے کہا ملک الموت، بہرے نے کہا کیا خوب طبیب ہے۔

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ایسے ہی ہمارے حسّی کان ہیں جو صرف حرفوں کو سننے کے لائق ہیں غیب سے کچھ بھی نہیں سنتے۔ ہم نے محض قیاس کر کے اپنی حالت بنائی ہوئی ہے۔ بہت سے انسان جو عبادت کرتے ہیں، وہ اپنے زعم میں سمجھتے ہیں کہ ان کی عبادت قبول ہو رہی ہے لیکن اصل میں ایسا نہیں ہوتا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے اس بہرے نے سمجھا کہ اس نے اپنے پڑوسی کی عیادت کی ہے لیکن اصل میں اس نے اس کا دل دکھایا ہے اور اس سے عداوت پیدا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے اس بہرے پن سے نجات دے اور ہمارے دل اور روح کے کان کھول دے تاکہ ہم غیب سے سنیں اور محض ذاتی قیاس میں ہی نہ ڈوبے رہیں۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں اس بات سے آگاہ کرتے ہیں کہ جو لوگ آسمانی ہدایت اور غیب کے امور سے بے خبر ہوتے اور محض ظاہری حواس پر بھروسہ کرتے ہیں وہ اگرچہ خود کو عقلمند سمجھتے ہیں لیکن دراصل بہرے اور گونگے ہیں۔ وہ اپنی ناکامی اور دوسروں کی دل آزاری کا باعث بنتے ہیں۔

3.6 حضرت عمرؓ اور آگ – بخل آگ ہے

حضرت عمرؓ کے زمانے میں آگ لگی جو گھروں کے ساتھ ساتھ درختوں اور پتھروں کو بھی جلا رہی تھی۔ آگ نے تقریباً آدھے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

لوگ اس آگ پر پانی کی مشکیں بھر بھر کے ڈال رہے تھے۔ آگ تھی کہ مزید بھڑک رہی تھی۔ اس کو قدرت سے مدد حاصل ہو رہی تھی۔

لوگ دوڑے دوڑے حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے اور بتایا کہ آگ ان کے قابو سے باہر ہو گئی ہے۔ یہ آگ پانی سے نہیں بجھ رہی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ آگ خدا کے قہر کی نشانیوں میں سے ہے اور یہ تمہارے بخل کی آگ کے شعلے ہیں۔ تم پانی کو چھوڑو اور روٹیاں تقسیم کرو اور اپنے بخل کو سخاوت میں بدلو تب جا کر یہ آگ سرد ہو گی۔

لوگوں نے کہا ہم نے تو اپنے دروازے کھلے رکھے ہوئے ہیں، ہم سخی اور جوانمرد ہیں۔ آپؓ نے فرمایا تم نے یہ سخاوت رواجی طور پر اختیار کی ہوئی ہے، رواج کی بجائے خالص اللہ کے لئے اپنے ہاتھ کھولو۔ مال بیج کی طرح ہے اسے شور زدہ زمین میں ڈالو گے تو نہیں اُگے گا۔ نیکی تب ہی کام آئے گی جب وہ خالص اللہ کی رضا کے لئے کی جائیگی اور یہی نیکی آگ کو سرد کرے گی۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں بتاتے ہیں کہ بخل کی آگ انسان کے تن، من اور اس سے متعلق ماحول کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ اللہ کی رضا کی خاطر کی ہوئی سخاوت نہ صرف اس آگ کو بجھاتی ہے بلکہ گل و گلزار میں بدل دیتی ہے۔

3.7 حضرت علیؓ اور دشمن – جسمانی اغراض کی غلامی نقص ہے

جہاد میں حضرت علیؓ نے ایک کافر پر قابو پالیا اور جب تلوار سے اسے ہلاک کرنے لگے تو اس کافر نے ان کے منہ پر تھوک دیا۔ اس نے ان کے اس چہرے پر تھوکا جس چہرے کو چاند بھی سجدہ کرتا ہے۔ کافر کے اس عمل پر حضرت علیؓ نے جو تمام ولیوں کے لئے باعث فخر ہیں اپنے غصّے کی آگ کو بُجھا دیا اور تلوار واپس کر لی۔ اس پر وہ کافر حیران رہ گیا۔

کافر نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ نے یہ شفقت کیوں کی ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا میں خدا کا بندہ ہوں اپنے جسم کا غلام نہیں ہوں۔ میں اسد اللہ ہوں، اللہ کا شیر ہوں، صرف اللہ کے لئے تلوار چلاتا ہوں۔ میں وصال کے موتیوں سے جڑی ہوئی تلوار ہوں، میں جنگ میں زندگی دیتا ہوں قتل نہیں کرتا۔

میں تنکا نہیں ہوں۔ صبر، علم اور انصاف کا پہاڑ ہوں، تیز ہوا پہاڑ کو کیسے ہلا سکتی ہے۔ عشق کی ہوا کے علاوہ مجھے کوئی نہیں جھکا سکتا۔ عشق الٰہی کے علاوہ میرا کوئی پیش رو نہیں ہے میں جسمانی اغراض کا غلام نہیں ہوں۔ میں ایسا مرد ہوں کہ اپنے قاتل پر بھی میری مہربانی کا شہد کسی قہر کے ڈنک میں تبدیل نہیں ہوتا۔

خلاصہ

اس مضمون میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ انسان کی اللہ کے راستے میں تمام کوششیں اور جہاد خالص اللہ تعالٰی کی رضا کے لئے ہونا چاہیے۔ اس میں اپنے نفسانی تقاضوں کا کوئی عمل دخل نہیں ہونا چاہیے۔

3.8 رمضان کا چاند - خیال کا ٹیڑھا ہونا منزل کو ٹیڑھا بناتا ہے

حضرت عمرؓ کے زمانے میں رمضان کا چاند دیکھنے کے لئے سب لوگ پہاڑ کی چوٹی پر گئے تا کہ رمضان کے چاند سے برکت لیں۔ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ چاند وہ ہے جب حضرت عمرؓ نے آسمان کی طرف دیکھا تو کوئی چاند نہ تھا۔ آپ نے فرمایا اے شخص یہ چاند تیرے خیال سے چمکا ہے۔ میں تو آسمانوں کو تم سے بڑھ کر دیکھنے والا ہوں اگر آسمان پر چاند ہوتا تو ضرور نظر آتا۔

آپ نے فرمایا کہ ہاتھ گیلے کر کے اپنی اَبرو پر ملو اور پھر چاند کی طرف دیکھو۔ جب اس نے اَبرو گیلے کر لئے اور دوبارہ آسمان کی طرف دیکھا تو اسے چاند نظر نہیں آیا۔ اس نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ چاند نہیں ہے وہ تو غائب ہو گیا ہے۔ آپؓ نے فرمایا اَبرو کا بال کمان بن گیا تھا اور اس نے تیری جانب گمان کا تیر چلا دیا تھا۔ اس شخص کے اَبرو کا ایک بال ٹیڑھا ہوا اور اس نے ایک نئے چاند کی شکل پیدا کر دی۔ اے انسان جب ایک ٹیڑھا بال اتنے وہم پیدا کرتا ہے تو پھر جب تمہارے تمام اعضاء ہی ٹیڑھے ہوں تو پھر تُو کس حقیقت پر ہو گا۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ یہ سبق دے رہے ہیں کہ جس طرح ابرو کا ایک ٹیڑھا بال چاند کا گماں پیدا کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر ہمارے اعضا ٹیڑھے ہوں گے تو ہمارے خیالات ہمیں دھوکے میں رکھیں گے ۔ ہمیں اپنے جسمانی، اخلاق اور روحانی اعضا کو درست کر کے حقیقت کی جستجو کرنی چاہیئے۔

3.9 ماں کا قتل – اپنی جبلّی اور نفسانی خواہشات پہ قابو پانا ضروری ہے

ایک شخص نے طیش میں آکر اپنی ماں کو قتل کر ڈالا۔ لوگوں نے پوچھا کہ تو نے ایسے کیوں کیا۔ اس نے کہا اس پر ناجائز تعلق کا الزام تھا۔

لوگوں نے کہا تو نے اپنی ماں کو کیوں قتل کیا۔ اگر قتل ہی کرنا تھا تو پھر اس آدمی کو قتل کرتے جس کے ساتھ ناجائز تعلق کا الزام تھا۔ اس نے کہا اس طرح تو میں روز کسی نہ کسی مرد کو قتل کرتا رہتا۔ میں نے اس کو اس لئے قتل کیا تا کہ دوبارہ یہ مسئلہ پیدا ہی نہ ہو۔

خلاصہ

اس حکایت میں ماں سے مراد ہمارا نفس ہے، جو دنیا کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس نفس کو مارے بغیر مسئلہ حل نہیں کیا جاسکتا۔ اس کمینے نفس کی وجہ سے ہر وقت ہم کسی عزیز کی جان لینے کا قصد کرتے ہیں۔ اسی نفس کی وجہ سے ہم پر یہ بھلی دنیا تنگ ہے اور ہماری خالق اور مخلوق سے جنگ ہے۔ اگر ہم اپنے نفس کو مار لیں تو دنیا میں ہمارا کوئی دشمن نہیں رہے گا۔

اس حکایت میں نفس کو مارنے سے مراد اپنی جبلّی اور نفسانی خواہشات پر قابو پانا اور اپنے مقاصد کو محض دنیاوی فوائد سے نکال کر اُخروی زندگی کی لازوال نعمتوں کی طرف متوجّہ کرنا ہے۔

3.10 مسجد ضرار – نفس کی مکاری سے آگاہ رہنا چاہیئے

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ حقیقی مسجد نہیں تھی بلکہ کچھ لوگوں کی مکّاری تھی اور یہودیوں کی سازش تھی۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس مسجد کو اُکھاڑ دیا جائے اور کُوڑا اور مٹی بنا دیا جائے۔

اس مسجد کو بنانے والا ابو عامر راہب اس مسجد کی طرح ہی فتنہ باز تھا۔ جال پر دانہ ڈالنے یا مچھلی پکڑنے کے لئے کانٹے پر گوشت لگانے سے آدمی سخی نہیں بن جاتا۔ مسجد ضرار بنانے والے کا مقصد لوگوں کو فتنے پہ اکٹھا کرنا تھا نہ کہ ان کی ہدایت مقصود تھی۔

مسجد قبا جو کہ پتھر سے بنی ہوئی تھی اس نے مسجد ضرار کو جو کہ حقیقت میں اس کی جنس سے نہیں تھی قبول نہ کیا۔ اسی طرح بظاہر ایک جیسی نظر آنے والی چیزوں کے حقائق میں بہت سے فرق اور امتیازات ہیں، نہ تو ایک آدمی کی زندگی دوسرے آدمی کی طرح ہوتی ہے اور نہ ہی ایک آدمی کا انجام دوسرے آدمی کی طرح ہوتا ہے۔ ایک آدمی کی قبر دوسرے آدمی کی قبر کی طرح نہیں ہوتی۔ حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ اس عالم میں لوگوں کے بظاہر ایک طرح نظر آنے کے باوجود ان کے درجات میں فرق ہے اور میں اس کی تفصیل بتاؤں تو بات لمبی ہو جائے گی۔ پھر فرماتے ہیں کہ ہر سمجھدار آدمی کو اپنے عمل کو کسی معیار پر پرکھنا چاہیے کہ کہیں وہ اپنے لئے مسجد ضرار ہی نہ بنا رہا ہو۔ فرماتے ہیں کہ اے فلاں تو نے مسجد ضرار بنانے والوں کا خوب تمسخر اُڑایا لیکن جب اپنے آپ پر غور کیا تو خود بھی اپنے نفس کی حالت میں ویسا ہی تھا۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ نصیحت کرتے ہیں کے ہمیں اپنے اعمال، عقائد اور نظریات کو کسی محکم کسوٹی پر پرکھنا چاہیے۔ ورنہ کہیں اپنے تیئں کوئی مسجد ضرار نہ کھڑی کر دیں۔ دیکھنے میں تو مسجدِ قُباء (اسلام کی پہلی مسجد) اور مسجدِ ضرار دونوں پتھر اور گارے سے بنی تھی لیکن مسجدِ قُباء کو اللہ اور رسولؐ کی سند حاصل تھی۔ جبکہ مسجدِ ضرار ابو عامر راہِب نے محض مسلمانوں میں فتنہ پیدا کرنے کے لئے بنائی تھی اور رسول پاکؐ نے اس کو گرانے کا حکم دیا۔ ایسے ہی ہم نے اپنے نفوس میں جو طرح طرح کی مساجد ضرار بنا رکھی ہیں ان کو گرائے بغیر نفس کا تذکیہ ممکن نہیں۔ مسجدِ ضرار کا گرانا یعنی خواہِش اور فتنے کی پیروی کو ترک کرنا اور مسجدِ قُباء کی چھت تلے آنا یعنی قرآن اور سیرت نبویؐ کے محکمات اور مسلمات کی پیروی کرنا ہی انسان کی کامیابی کا رستہ ہے۔

3.11 امیر معاویہؓ اور ابلیس – ابلیس ہر حال میں انسان کا خسارہ چاہتا ہے

کہتے ہیں کہ ایک رات حضرت امیر معاویہؓ اپنے محل میں سو رہے تھے وہ سارا دن لوگوں سے ملاقاتیں کر کے تھک چکے تھے اور محل کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ اچانک ایک شخص نے ان کو جگا دیا۔ وہ فوراً اٹھے لیکن وہ شخص چھپ گیا۔ آپؓ نے دیکھا کہ وہ پردے کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ آپؓ نے کہا تو کون ہے تیرا نام کیا ہے۔ اس نے کہا میرا نام بد بخت شیطان ہے۔

آپؓ نے فرمایا کہ تو نے مجھے کیوں جگایا۔ شیطان نے کہا نماز کا وقت قریب ہے اس لئے میں نے آپؓ کو جگایا تاکہ جلدی مسجد کی طرف جا سکیں۔ آپؓ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ شیطان مجھے نماز کے لئے جگائے تیرا مقصد کچھ اور ہو گا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ چور میرے گھر میں گھسے اور مجھے کہے کہ میں چوکیداری کرنے کے لئے آیا ہوں۔

شیطان نے کہا میں شروع میں فرشتہ تھا۔ میں عرش کے رہنے والوں کا ساتھی تھا۔ پہلا پیشہ دل سے کب نکلتا ہے۔ پہلی محبت دل سے کب نکلتی ہے۔ میں جانتا ہوں آدم کو سجدہ نہ کرنا حسد کی وجہ سے تھا لیکن حسد بھی تو آخر دوستی ہی سے پیدا ہوتا ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ نے کہا یہ سب ٹھیک ہے لیکن تو نے لاکھوں کو گمراہ کیا ہے۔ تو آگ مزاج ہے اور تیرا کام جلا ڈالنا ہے۔ تجھ پر لعنت ہوتی ہے اور تو اب تمام چوروں کا سردار ہے۔ تیری معرفت کی باتیں سیٹی کی آواز کی طرح ہیں جو پرندوں کو پھانسنے کے لئے بجائی جاتی ہیں۔ سیٹی کی آواز سن کر پرندہ ہوا سے اترتا ہے اور قیدی بن جاتا ہے۔ تو نے قوم عاد کو برباد کیا۔ قوم لوطؑ تیری وجہ سے سنگسار ہوئی۔ تیری وجہ سے نمرود کا سر پھٹا اور فرعون کی عقل اندھی ہو گئی۔ ابو لہب تیری وجہ سے نالائق بنا اور ابوالحکم تیری وجہ سے ابو جہل بنا۔

بہت سے سعد ستارے تیری وجہ سے بے نور ہو گئے۔ تو مکاری کا سمندر ہے اور لوگ محض ایک قطرہ۔ اس پر شیطان بولا میں نیکوں اور بُروں دونوں کی رہنمائی کرتا ہوں۔ میں باغبان ہوں جو تر شاخ کی پرورش کرتا ہے اور سوکھی شاخ کو کاٹ دیتا ہے۔ کُتیا جب ہرن کا بچہ جن دے تو اس کے کتا اور ہرن ہونے میں شک ہو جاتا ہے۔ جب اس کے سامنے گھاس اور ہڈی ڈالی جائے اور اگر وہ گھاس کی طرف جائے تو ہرن ہے اور اگر ہڈی کی طرف جائے تو کتا ہے۔ اگر نفس کی غذا ڈھونڈے تو بُرا ہے اور اگر روح کی غذا ڈھونڈے تو اعلٰی ہے۔

میں نیک کو بد کیسے بنا سکتا ہوں۔ میں خدا نہیں ہوں۔ میں تو محض بلانے والا ہوں ان کا پیدا کرنے والا نہیں میں تو اچھے اور برے کا آئینہ ہوں۔

میں جہاں کہیں پھلدار درخت دیکھتا ہوں تو اس کی دایہ کی طرح پرورش کرتا ہوں اور جہاں کہیں کڑوا اور خشک درخت دیکھتا ہوں اس کو کاٹ دیتا ہوں۔ خشک درخت باغبان سے کہتا ہے میرا کیا قصور ہے مجھے کیوں کاٹتا ہے۔ باغبان کہتا ہے چپ رہ کیا خشک ہونا تیرا جرم نہیں ہے۔ خشک درخت کہتا ہے میں سیدھا ہوں ٹیڑھا نہیں ہوں تو مجھے کیوں کاٹتا ہے۔ باغبان کہتا ہے اگر تو ٹیڑھا ہوتا لیکن تر ہوتا اور آب حیات کو جذب کرنے والا ہوتا تو میں تجھے کبھی نہ کاٹتا۔ چونکہ تیرا بیج اور جڑ بُری تھی اور اچھے درخت سے تیرا جوڑ نہ تھا اس لئے تو میرے ہاتھ سے کٹ گیا۔ کڑوی شاخ کو اگر اچھے کے ساتھ جوڑ دیا جائے اور وہ اس میں اچھا اثر پیدا کرے تو اس کا شمار اچھوں میں ہو جاتا ہے۔

یہ سن کر حضرت معاویہؓ نے فرمایا اے شیطان تو ڈاکو ہے تو میرے ساتھ محبّت نہ کر۔ تو میرے اندر رستہ تلاش نہ کر۔ تو ڈاکو ہے اور میں ایک مسافر تاجر ہوں۔ تو بے ایمانی سے میرے سامان کے گرد چکر نہ لگا۔ تو سامان کا خریدار نہیں ہے۔ ڈاکو کچھ خریدنے والا نہیں

ہوتا۔ وہ محض مکّاری سے خود کو گاہک ظاہر کرتا ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے فریاد کی، یااللہ میری مدد فرما اور مجھے شیطان کی چالوں سے نجات دے۔

شیطان بولا انسان شیطان کو مکّار سمجھتا ہے۔ وہ مکّاری کو اپنی جانب سے نہیں سمجھتا۔ جب لومڑی سبزے میں دنبے کو دیکھتی ہے تو اس کو یہ نظر نہیں آتا کہ یہ جال میں پھنس جائے گی۔ اس میں اپنا یا جال کا کیا قصور ہے۔ دنبے کی خواہش لومڑی کی عقل کو اندھا کر دیتی ہے۔ میں لوگوں میں ایسے ہی بدنام ہو گیا ہوں۔ ہر مرد و عورت خوامخواہ اپنا کام میرے ذمے لگاتا ہے۔

حضرت معاویہؓ نے فرمایا اے شیطان تو سچ نہیں بولتا تو سچ سچ بتا دے۔ شیطان نے کہا آپ سچ اور جھوٹ کو کیسے سمجھیں گے۔ آپؓ نے فرمایا نبی پاکؐ نے سب کچھ کھول کھول کر بتا دیا ہے۔ میں ان کے فرمودات کی روشنی میں سچ اور جھوٹ کو سمجھ سکتا ہوں۔ لوگ اس لئے تیرے فریب میں آ جاتے ہیں کیونکہ وہ مستی اور خواہشوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ جس نے اپنے آپ کو حرص اور لالچ سے بچا لیا۔ اس نے اپنے کان میں راز کی آواز سن لی اور شیطان کے فریب سے بچ گیا۔

حضرت امیر معاویہؓ نے کہا اے ملعون شیطان آگے پیچھے کی باتیں نہ کر مجھے سچ بتا کہ تو نے مجھے کیوں جگایا۔ شیطان نے کہا آپؓ کو نماز کے لئے جگانے کا میرا مقصد یہ تھا کہ اگر آپ کی نماز چھوٹ جاتی تو آپ کے لئے یہ دنیا بے رونق اور اندھیری ہو جاتی۔ اس رنج سے آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کے سیلاب جاری ہو جاتے۔ یقیناً نماز چھوٹنے پر آپ کی عاجزی اور گریہ آپ کا درجہ اور زیادہ بڑھا دیتے اس لئے میں نے آپ کو نماز کے لئے جگا دیا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے کہا اب تو نے سچ بتایا ہے کہ تو نے مجھے بھلائی کی طرف اس لئے بلایا ہے تاکہ مجھے اس سے بہتر بھلائی سے ہٹا دے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ یہ بتاتے ہیں کہ شیطان اپنی پوری کوشش کرتا ہے کہ انسان دھوکے میں رہے اور گہری حقیقت سے دور رہے، اگر کوئی انسان نماز چھوٹ جانے پر گریہ اور آہ وزاری کرتا ہو تو ایسے انسان کے لئے شیطان خود آ کر نماز کے لئے جگاتا ہے تاکہ وہ صرف عبادت پر ہی اکتفا کرے اور آہ وزاری والی حالت کی طرف نہ آئے۔ اس سبق میں مولانا رومیؒ ہمیں شیطان کی نفسیات، واردات اور اس سے چوکنا ہونے کا سبق دیتے ہیں۔

4 کن چیزوں سے بچیں

گر ترازو را طمع بودے بمال
راست کے گفتے ترازو وصف حال

اگر ترازو خود مال کی طمع رکھتا ہو
تو ایسا ترازو کب صحیح وزن بتائے گا

4.1 صاحب تحقیق اور جھوٹے مدعی – مرشد کی تلاش میں احتیاط

اس مضمون میں جھوٹے لوگوں سے بچنے کی نصیحت کی گئی ہے- حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کیونکہ بہت سے شیطان انسانی چہرے والے ہیں اس لئے ہر ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہیے- شکاری پرندے جیسی آواز اس لئے نکالتا ہے تاکہ وہ دھوکہ دے کر پرندے کو پکڑ سکے۔

خلاصہ

حضرت مولانا رومیؒ بتاتے ہیں کہ بہت سے لوگ محض اپنی شہرت یا دنیاوی مفاد کے لئے مختلف بھیس بنا کر لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ ہمیں ایسے لوگوں سے ہر ممکن بچنا چاہیے۔

4.2 باطل تاویل - معرفت سے عاری علم

بعض اوقات انسان کی حالت اس مکھّی کی طرح ہوتی ہے جو بلاوجہ اپنے آپ کو ایک بڑی چیز سمجھتی تھی۔ وہ مکھّی اپنی ذرّہ برابر حیثیت کو آفتاب سمجھتی تھی۔ اس نے بازوں کی حکایات سن کر خود کو عنقّا سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ وہ مکھّی ایک دفعہ گدھے کے پیشاب سے بہہ جانے والے ایک تنکے پر بیٹھی اور خود کو ایک بڑا ملاح سمجھنا شروع کر دیا۔ وہ چپو چلا رہی تھی اور وہ پیشاب اسے دریا کی طرح لامحدود نظر آرہا تھا۔ وہ گا رہی تھی کہ یہ کشتی ہے، دریا ہے اور میں ہوں۔ میں کشتی بان اور صاحب علم و فن ہوں۔ اس کے اعتبار سے وہ پیشاب لامحدود تھا۔ اصل میں اس کے پاس وہ نگاہ ہی نہیں تھی کہ اس مقام کو صحیح طور پر پرکھ سکتی۔

باطل تاویل کرنے والا (یعنی اپنی کم تر علمی اور روحانی حالت کو اعلیٰ سمجھ کر تشریحات کرنے والا) بھی مکھّی کی طرح ہی ہے۔ اس کا خیال گدھے کے پیشاب اور تنکے کی صورت ہی ہے۔ انسان کو اپنی رائے سے تاویل کرنا چھوڑ دینا چاہیے بلکہ اس کے لئے دینی اور روحانی علوم کے اصل ماخذ کی طرف رجوع کر کے اہل لوگوں کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنا چاہیے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہماری توجہ اس طرف مبذول کرتے ہیں کہ علم اور معرفت میں خاطر خواہ حصّہ نہ رکھنے والے حقائق کا صحیح ادراک نہیں رکھتے اور اکثر اوقات ان کی تاویل اور تشریح انتہائی مضحکہ خیز ہوتی ہے۔

4.3 دکاندار اور طوطا – اولیاء اللہ کے کاموں کو اپنے کاموں پر قیاس کرنا

ایک عطر فروش کے پاس ایک طوطا تھا جو بہت خوش آواز اور باتیں کرنے والا تھا۔ یہ طوطا دکان میں آنے والے ہر گاہک کے ساتھ باتیں کرتا تھا۔

ایک دن دکاندار جب گھر گیا ہوا تھا اور طوطا دکان میں اکیلا تھا تو اچانک ایک بلی دکان میں داخل ہوئی۔ بلی دکان میں موجود ایک چوہے کو پکڑنے کے لئے لپکی تو اس کے ڈر سے طوطا بھی پھڑ پھڑایا۔ طوطے نے جلدی میں اڑان بھری تو وہ عطر کے شیشوں سے ٹکرا گیا۔ یوں قیمتی عطر کی کئی شیشیاں فرش پر گر کر ٹوٹ گئیں۔

دکاندار جب گھر سے واپس دکان میں آیا اور اس نے عطر کی شیشیاں ٹوٹی ہوئی دیکھیں تو اسے بہت غصّہ آیا۔ اس نے غصّے میں طوطے کو سر پر مارا جس سے اس کے سر کے بال اڑ گئے اور وہ گنجا ہو گیا۔

اس کے بعد طوطے نے بولنا چھوڑ دیا۔ دکاندار نے بہت کوشش کی لیکن طوطا بالکل خاموش ہو گیا۔ طوطے کے باتیں نہ کرنے پر دکاندار بہت نادم تھا کہ اس نے اسے اس کی غلطی پر سزا کیوں دی۔

بہت دنوں کے بعد ایک فقیر دکان پہ آیا جو سر سے گنجا تھا۔ طوطے نے اسے دیکھا تو فوراً بول پڑا۔ اے گنجے کیا تو نے بھی عطر کی شیشیاں توڑیں ہیں۔ طوطے کے اس قیاس پر دکان میں موجود تمام لوگ ہنس پڑے۔

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ نیک لوگوں کے کاموں کو ہمیں اپنے کاموں سے قیاس نہیں کرنا چاہیے۔ جادوگروں کی لاٹھی اور موسٰی کی لاٹھی میں بہت فرق ہے۔ لکھنے میں شیر (جانور) اور شِیر (دودھ) ایک جیسے لگتے ہیں لیکن ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ دونوں مکھیاں ایک جگہ سے کھاتی ہیں۔ ایک میں ڈنک بنتا ہے

اور دوسری میں شہد، دیکھنے میں سب انسان ایک جیسے لگتے ہیں لیکن دراصل ان میں بہت فرق ہوتا ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں بتاتے ہیں کہ وہ لوگ جو اولیاء اللہ کے کاموں کو اپنے کاموں پر قیاس کرتے ہیں وہ سخت بے وقوف اور نالائق ہیں۔

4.4 جھوٹے مدعی - کچھ لوگ صوفی ہونے کا جھوٹا دعوی کرتے ہیں

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ سمجھداروں نے کہا کہ آدمی کو محسنوں کا مہمان بننا چاہیے۔ اگر تو کسی ایسے شخص کا مرید ہے جس کی نظر تیری کمائی کی طرف ہے اور وہ اپنے کمینے پن سے تیری کمائی وصول کرنا چاہتا ہے تو ایسا شخص تجھے روشنی کی بجائے اندھیرے میں دھکیل دے گا۔ جب اس شخص میں نور نہیں ہے تو پھر تو اس سے روشنی کیسے حاصل کر سکتا ہے۔

ایسے شخص نے درویشوں کی کچھ باتیں یاد کی ہوتی ہیں تاکہ لوگ گمان کریں کہ وہ کوئی بڑی چیز ہے۔ اگرچہ ایسا شخص خود کو بایزیدؒ سمجھتا ہے لیکن اس کا حشر یزید کی طرح ہو گا۔

اصل میں کافی وقت چاہیے ہوتا ہے کہ آدمی کا بھید ظاہر ہو اور اس کی کمی بیشی واضح ہو۔ جب تک یہ معلوم ہوتا ہے کہ جسم کی دیوار کے نیچے خزانہ ہے، چیونٹی ہے، سانپ ہے یا اژدھے کا گھر ہے، یہ پتہ لگنے میں خاصا وقت لگتا ہے اور اس عمل میں مُرید کی عمر گذر جاتی ہے۔

تاہم کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگرچہ شیخ جھوٹا ہوتا ہے لیکن مرید کا خلوص اور صِدق اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوتا ہے اور اس کا سینہ کھل جاتا ہے۔ ایسے میں وہ مرید ایسی روحانی منازل پہ پہنچ جاتا ہے جس کا جھوٹے شیخ نے گمان بھی نہیں کیا ہوتا۔ لیکن ایسا شاذو نادر ہی ہوتا ہے، اصول یہی ہے کہ ہر طالب اور سالک اپنے علم میں اضافہ کرے اور اتنی استعداد ضرور پیدا کرے کہ کوئی جھوٹا مدعی اس کو گمراہ نہ کر سکے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ یہ تعلیم دیتے ہیں کہ ہر سالک اور ہر طالب کو اپنے اندر اتنی استعداد ضرور پیدا کرنی چاہیے کہ کوئی علم و معرفت کا جھوٹا مدعی اسے گمراہ نہ کر سکے۔

4.5 ہڈیوں کو زندہ کرنا – اپنی ذات کی اصلاح پہلی ترجیح ہے

ایک بے وقوف شخص ایک سفر میں حضرت عیسٰیؑ کا ساتھی بن گیا۔ اس نے ایک پرانی قبر میں مردہ انسان کی ہڈیاں دیکھیں تو عیسٰیؑ سے کہا کہ آپ مجھے وہ کلمات سکھادیں جس کے ذریعے آپ مردوں کو زندہ کرتے ہیں۔

آپؑ نے فرمایا کہ چپ رہ، یہ تیرا کام نہیں ہے۔ تیرا دم اور کردار اس لائق نہیں ہے۔ اس کام کے لئے ایسی سانس چاہیے جو بارش کے پانی سے زیادہ پاک ہو اور رفتار میں فرشتوں سے تیز رفتار ہو۔ آسماں کے خزانوں سے کچھ پانے کے لئے عمریں چاہیں۔ محض ہاتھ میں لاٹھی پکڑ لینے سے موسٰیؑ کے عصا سے نہ تو نسبت ہوتی ہے اور نہ ہی موسوی اعجاز حاصل ہوتا ہے۔ اس پر وہ شخص بولا کہ اگر میں اس قابل نہیں ہو سکتا تو آپ ہی ان ہڈیوں پر دم پڑھ دیجیے تاکہ یہ زندہ ہو جائیں۔

اس پر حضرت عیسٰیؑ نے کہا اے خدا یہ کیا راز ہے۔ اس بے وقوف آدمی کا رجحان خواہ مخواہ اس بات کی طرف کیوں ہے کہ یہ پرائی ہڈیوں کو زندہ کرنا چاہتا ہے لیکن اس کو اپنی مردہ جان کی کوئی فکر نہیں۔ اپنے مردے کو چھوڑ کر غیر کے مردے کی بھلائی چاہتا ہے۔ اس پر اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ یہ آدمی بدبخت ہے اور اسکی کھیتی میں آخر کار کانٹے ہی اُگیں گے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ دو باتوں کی تلقین کرتے ہیں ایک یہ کہ کچھ لوگ تزکیہ اور تعلیم و تربیت سے کوسوں دور ہوتے ہوئے اپنے آپ کو صوفیاء کی صفوں میں شمار کرنا چاہتے ہیں– دوسرے یہ کہ اوّل تو کرامات کا خواہاں ہونا ہی مذموم عمل ہے دوسرا اپنے ذاتی نفس سے غافل ہونا اور دوسروں کو ٹھیک کرنے میں لگ جانا انسان کی بدبختی کی علامت ہے۔

4.6 صوفی کا گدھا – غفلت شرمندگی پیدا کرتی ہے

ایک صوفی دنیا میں گھوم رہا تھا۔ اس سفر کے دوران وہ ایک خانقاہ میں پہنچا۔ اس نے اپنا گدھا اصطبل میں باندھا اور خود مرکزی ہال میں آکر مراقبے میں مشغول ہو گیا۔ کچھ ہی دیر میں خانقاہ میں موجود لوگوں کے لئے کھانے کا اہتمام کیا گیا۔ جب کھانا سامنے آیا تو اس صوفی کو اپنے گدھے کا خیال آیا کہ وہ اصطبل میں بندھا ہے وہ تھکا ہوا اور بھوکا ہے۔ اس نے خانقاہ کے خادم سے کہا کہ جا کر میرے گدھے کے لئے چارے وغیرہ کا اہتمام کرے۔ اس نے کہا جَو کو پہلے بھگو لینا کیونکہ گدھا بوڑھا ہے اور اس کے دانت کمزور ہیں۔ اس نے اس طرح کی کئی نصیحتیں خادم کو کیں۔ اس پر خادم نے لاحول پڑھا اور کہا کہ یہ تو ہمارا روز کا کام ہے اور ہمیں خوب پتا ہے کہ کیا کرنا ہے، کسی نصیحت کی ضرورت نہیں۔ اتنے میں خادم کھانا دے کر چلا گیا اور صوفی کے گدھے سے متعلق ساری بات بھول گیا۔ صوفی بھی تھکا ہوا تھا، کھانا کھا کر لیٹ گیا۔ خواب میں دیکھا کہ اس کا گدھا بھیڑیے کے پنجے میں ہے اور اسے کھا رہا ہے۔ وہ خواب میں حیران ہوا کہ وہ خادم کہاں ہے جس کے ذمّے گدھے کی خدمت تھی۔ دوسری طرف اس کا گدھا اصطبل میں بھوکا پیاسا بندھا تھا۔ گدھا دل ہی دل میں سوچتا تھا کہ جَو نہ سہی، کم از کم ایک مٹھی گھاس ہی مل جائے۔ خادم صُبح کے وقت آیا اور گدھے کو دو تین چوٹیں لگائیں تاکہ وہ چوکنا ہو جائے اور پھر صوفی کے حوالے کر دیا، گدھا بے زبان تھا صوفی کو اپنا حال بتانے سے قاصر تھا۔

صوفی جب دوبارہ سفر پر روانہ ہوا تو گدھا رستے میں لڑکھڑانے لگا۔ گدھا بار بار گرتا اور لوگ اسے اٹھاتے۔ صوفی کے ساتھیوں نے سمجھا کہ گدھا بیمار ہے۔ کوئی اس کا کان مروڑتا اور کوئی اس کے کُھرے کے اندر پتھر تلاش کرتا۔ لیکن اصل میں تو گدھا بیمار نہیں تھا۔ وہ تو رات بھر بھوکا رہنے کی وجہ سے لاغر اور سست ہو گیا تھا۔

جب اپنے کام سے غفلت برتی جائے اور فقط دوسروں پر چھوڑ دیا جائے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس گدھے کا لاغر پن صوفی کی غفلت اور خانقاہ کے خادم کی لاپرواہی کی وجہ سے تھا۔ اکثر لوگ مردم خور ہیں ان کی سلام علیک پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ جو آدمی شیطان کے چکر میں آگیا وہ اگلی صبح گدھے کی طرح سر کے بل گرے گا۔ کمینوں کی رُو رعایت اصل میں دھوکہ ہوتی ہے۔ وہ اس خانقاہ کے خادم کی طرح ہیں جو محض اپنے لب و لہجے سے حامی بھرتے ہیں پر کرتے کچھ بھی نہیں۔ تُو کوشش کر کے اپنے ہم جنسوں کے ساتھ رہ۔ نا جنس اور کمینے کی صحبت قبر کی طرح ہے۔ عطار نے ڈبیوں میں جواہرات کو جنس کے حساب سے اکٹھا کیا ہوتا ہے۔ جنسی مناسبت رونق بڑھاتی ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ انسان کو اپنے ارد گرد کو پہچاننا چاہیے اور حتی الوسع اپنے معاملات کی نگرانی خود کرنی چاہیے۔ انسانوں کے روپ میں کئی شیطان چھپے بیٹھے ہیں جو مقاصد کے حصول میں ہمارے لئے مصائب اور رکاوٹوں کا باعث بنتے ہیں۔ ایسے غافل اور شیاطین لوگوں سے کنارہ کرنا ضروری ہے۔

4.7 اگر مگر کی شادی – محض لفاظی سے آگے مشاہدہ تک پہنچنا چاہیے

ایک مسافر جلدی میں تھا اور اسے اپنے لئے گھر کی تلاش تھی۔ ایک دوست اسے اپنے ایک گرے ہوئے گھر کے پاس لے گیا۔ اس نے کہا اگر اس گھر کی چھت سلامت ہوتی تو تُو میرے پڑوس میں رہتا اور تیرے بیوی بچوں کو آرام حاصل ہوتا۔ اور اگر اس گھر کا دوسرا کمرہ بھی سلامت ہوتا تو تیرے پاس جب کوئی مہمان آتا تو وہ بھی آرام سے ٹھہرتا۔ کاش یہ مکان آباد ہوتا تو ہمارا یہ گھر تیرا گھر ہوتا۔

اس مسافر نے کہا بے شک دوست کا پڑوس اچھا ہوتا ہے لیکن اے دوست اگر مگر اور کاش کے گھر میں سکونت اختیار نہیں کی جاسکتی۔

سب لوگ اچھائی کے طلب گار ہیں لیکن بناوٹی اچھائی کوئی چیز نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اچھا نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ سب لوگ سونے کے طلب گار ہیں لیکن ایک عام آنکھ کھرے اور کھوٹے سونے کو پہچاننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ کسوٹی یا پرکھ کے بغیر سونا نہیں خریدنا چاہیے۔ یہ کسوٹی اپنے اندر ہونی چاہیے اور کسی دانا سے اس کو سمجھنا بھی چاہیے۔

کاریگر کارخانے کے اندر ہوتا ہے تو جا کر کارخانے کے اندر اس کا مشاہدہ کر۔ کارخانے سے باہر رہ کر کاریگر اور کارخانے کے بارے میں تیری جستجو محض اگر مگر ہے۔

فرعون نے لاکھوں معصوم بچے قتل کر ڈالے لیکن موسیٰؑ خود اس کے گھر میں پل رہے تھے۔ فرعون محض اپنے آپ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کاریگر اور کارخانے سے لاعلم تھا۔ اگر وہ خدا کے کارخانے سے واقف ہوتا تو اس کی ہیبت سے اس کے ہاتھ پیر خشک ہو جاتے۔

ہم میں سے اکثر لوگ موسیٰؑ کی طرح ہیں اور ہمارا جسم فرعون ہے۔ ہم باہر بھاگے پھرتے ہیں لیکن موسیٰؑ ہمارے اندر رہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ بتاتے ہیں کہ ہمیں محض کم علمی، بے خبری اور سنی سنائی باتوں پر عمل کرنے کی بجائے حقائق کا بغور مشاہدہ کرنا چاہیے۔ انسان کی اپنی ذات کی حقیقت اپنی ذات کے اندرونی گہرے مشاہدے کائنات اور خالق کائنات کی حقیقت اس کارخانہ کائنات کے گہرے مشاہدے سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

4.8 انکار فلسفی – خشک دلائل بالآخر انکار کی طرف لے جاتے ہیں

ایک قاری قرآن پڑھ رہا تھا اس نے یہ آیت تلاوت کی " اِنْ اَصْبَحَ مَاؤُکُمْ غَوْرًا " کہ اگر میں تمہارا پانی گہرائی میں لے جاؤں۔ چشموں کو خشک کر کے ریگستان بنا دوں تو کون ہے جو تمہارے لئے ان چشموں میں پانی لائے۔

ایک کمتر فلسفی منطقی ادھر سے گذر رہا تھا۔ اس نے یہ آیت سنی تو ناپسندیدگی سے بولا یہ کیا مشکل ہے۔ ہم بیلچے اور کُدال سے پانی کو پھر باہر لے آئیں گے۔ وہ فلسفی جب رات کو سویا تو اس نے ایک طاقتور آدمی کو دیکھا جس نے اس فلسفی کے منہ پر زور سے طمانچہ مارا۔ اس طمانچے سے اس کی دونوں آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ اس آدمی نے فلسفی سے کہا اب ذرا بیلچے اور کُدال سے ان آنکھوں کے چشموں سے نور نکال کے لاؤ۔ جب وہ صبح اٹھا تو اس نے اپنی دونوں آنکھوں کو اندھا پایا۔

اگر وہ فلسفی روتا اور توبہ کرتا تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اس کی آنکھوں کا نور واپس آ جاتا لیکن یہ توبہ بھی ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ ہر کسی کو توبہ کا ذوق نصیب نہیں ہوتا۔ اس کی بد اعمالی اور انکار نے اس کے دل پر توبہ کا رستہ بند کر دیا تھا۔ دل سختی کی وجہ سے پتھر کی طرح ہو گیا تھا۔ اس پتھر میں کھیتی اُگانے کے لئے توبہ اس پتھر کو کس طرح پھاڑے۔ حضرت شعیبؑ کی دعا سے پہاڑ مٹی کا کھیت بن گیا تھا۔ وہ اللہ کے پیارے اور خوش اعتقاد بندے تھے جس وجہ سے یہ سخت ناممکن کام ممکن ہو گیا۔ لیکن اس کے بالکل برعکس اس فلسفی کا ممکن کام ناممکن ہو گیا کیونکہ انکار اور بد اعتقادی پر کھڑا تھا۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ بتاتے ہیں کہ توبہ کے لئے دل سوزی اور آنسو درکار ہیں۔ پھل کے پکنے کے لئے گرمی اور پانی چاہیے ہوتا ہے۔ خشک دلائل اور بد اعتقادی انسان کے انکار، نقصان اور توبہ سے محرومی کا باعث بنتے ہیں۔

4.9 ریچھ اور اژدھا – دوست کو زیرک اور دانا ہونا چاہیئے

ایک آدمی نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا اژدھا ایک ریچھ کو نگل رہا ہے۔ اس آدمی نے آگے بڑھ کر اژدھے کو قتل کر دیا اور یوں ریچھ کو نجات مل گئی۔

اژدھے سے نجات پانے کے بعد ریچھ اس آدمی سے مانوس ہو گیا۔ ایک دن وہ آدمی اور ریچھ ایک درخت کے نیچے بیٹھے تھے کہ وہاں سے ایک سوار کا گذر ہوا اس نے یہ دوستی دیکھی تو اسے خبر دار کیا کہ تم یہ کیسی دوستی میں پڑے ہو۔ خبر دار صرف اپنے ہم جنس کو دوست بناؤ۔ غیر جنس کی دوستی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔

یہ سن کر اس ریچھ کے دوست کو برا لگا۔ اس نے کہا تم مجھ سے اس بارے میں حسد کرتے ہو۔ ہم یقیناً مثالی دوست ہیں۔ اس آدمی نے کہا دیکھ بے وقوف کی دوستی دشمنی سے بدتر ہے۔ بے وقوفوں کی محبّت فریب دینے والی ہے۔ اگر میں تجھ سے حسد بھی کر رہا ہوں تو یہ حسد اس تیرے بے وقوف دوست کی محبّت سے بہتر ہے۔

اس نے اس کا ہاتھ پکڑا تو اس نے چھڑا لیا۔ اس نے کہا میں تیرا دوست ہوں تو میرے ساتھ آ اس ریچھ کو چھوڑ۔ اس نے کہا مجھے نیند آ رہی ہے مجھے سونے دے۔ اس نے کہا تجھے چاہیے کہ تو کسی عقلمند دوست کی معیّت میں ہو نہ کہ اس بے وقوف دوست کی۔

اس پر وہ ریچھ کا دوست غصّے میں آ گیا اور اس آدمی کو برا بھلا کہہ کر بھگا دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں یہ آرام کی غرض سے درخت کے نیچے سو گیا۔ ریچھ اس کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ چند مکھیاں بار بار اس کے چہرے پر بیٹھتی تھیں اور ریچھ انہیں بھگا دیتا تھا جب مکھیاں بار بار اس کے چہرے پر بیٹھیں تو ریچھ کو غصّہ آ گیا۔ وہ قریب سے ایک بھاری پتھر اٹھا کر لایا اور اپنے دوست کو ان مکھیوں سے نجات دلانے کے لئے اس کے منہ کا نشانہ لے کر پوری قوّت سے مارا۔ اس پتھر کی ضرب سے اس آدمی کے سر کا قیمہ بن گیا۔ بے وقوف کی

دوستی یقیناً ریچھ کی دوستی ہے۔ اس کا کینہ محبت ہے اور محبت کینہ ہے۔ اس کا عہد و پیمان کمزور اور ضعیف ہے۔ اس کی باتیں بڑی اور وفاداری کمزور ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ انسان کو دوست کے انتخاب میں زیرک اور عقلمند دیکھنا چاہتے ہیں۔ کسی کم ظرف اور بے وقوف کی دوستی دین و دنیا دونوں میں وقت اور مال کے ساتھ ساتھ جان کے خسارے کا بھی باعث بنتی ہے۔ جب انسان خواب غفلت میں ہوتا ہے تو اصلی دوست کی پکار کو نظر انداز کرتا ہے اور کسی بے وقوف ریچھ کی معیّت میں خود کو محفوظ سمجھ رہا ہوتا ہے۔

4.10 ڈبل نابینا – دل کی کدورت نقائص کو دگنا کرتی ہے

ایک اندھا آواز لگا رہا تھا کہ خدارا مجھ پر ڈبل رحم کرو کیونکہ میں دوگنا اندھا ہوں۔ لوگوں نے اس سے سوال کیا کہ صاف صاف بتاؤ یہ دوگنا اندھا کیا ہوتا ہے۔ تیرا ایک دفعہ اندھا ہونا تو ہم دیکھتے ہیں یہ ڈبل اندھا ہونا کیا ہے۔

اس پر اس اندھے نے کہا میں بھدی اور بے سُری آواز والا ہوں، یوں میرے آنکھوں سے اندھا ہونا اس بھدی آواز کے ساتھ ڈبل اندھا پن ہو گیا۔ میری بُری آواز میرے غم کو زیادہ کر دیتی ہے۔ اس بُری آواز کی وجہ سے لوگ مجھ سے دور بھاگتے ہیں۔ لوگ میری آواز کی وجہ سے مجھ پر مہربان ہونے کی بجائے دور بھاگتے ہیں۔ چونکہ اس نے اپنا یہ عیب صاف دل سے بیان کر دیا۔ اس لئے لوگوں کو اس پر رحم آ گیا اور وہ اس کے ساتھ مہربانی سے پیش آنے لگے۔ اگر اس کا دل بھی صاف نہ ہوتا تو اس ناصاف دل کے ساتھ وہ دوہرے سے تہرہ اندھا بن جاتا۔ اور کوئی بھی شخص اس پر مہربانی کے لئے تیار نہ ہوتا۔ کافر کا رونا چونکہ بھدا اور گدھے کی آواز جیسا ہوتا ہے اس لئے اس کے رونے کو قبولیت حاصل نہیں ہوتی۔

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تیری آواز کو قبولیت حاصل نہیں تو سمجھ لے کہ تو نے کسی یوسفؑ کے ساتھ بھیڑیا پن کیا ہے یا پھر کسی بے گناہ کا خون پیا ہے۔ یعنی خیانت کی ہے، اے بوڑھی لومڑی بھیڑیا پن چھوڑ دے، صاف دل کے ساتھ اللہ تعالٰی سے مدد طلب کر، وہ بہترین مددگار ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ یہ سبق دیتے ہیں کہ دل کی کدورت اور ناپاکی ہمارے نقائص کو دوگنا اور تگنا کر دیتی ہے۔

اگرچہ اندھے کا اندھا پن اس کی بھدی آواز کے ساتھ مزید گہرا ہو گیا تھا لیکن اس کے دل کی صفائی اور اپنے عارضے کو تسلیم کرنے کے عمل نے لوگوں کے دلوں میں اس کی محبّت قائم کر دی تھی۔ ایسے ہی ہمارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ ہمارے قلب و نظر کا تزکیہ اللہ تعالیٰ کو پسند آتا ہے اور پھر وہ ہمارے عذر قبول کرتا ہے اور اپنی مہربانیوں سے نوازتا ہے۔

4.11 جالینوس اور دیوانہ – ناجنس کی ہمنشینی زندگی کو تنگ کرتی ہے

ایک دفعہ حکیم جالینوس نے اپنے شاگردوں سے ایک خاص دوالانے کو کہا۔ شاگردوں نے کہا یہ دوا تو پاگل پن کے لئے استعمال ہوتی ہے آپ تو صاحبِ کمال حکیم ہیں آپ کو یہ دوا کیوں چاہیے۔

حکیم جالینوس نے کہا آج راستے میں مجھے ایک پاگل ملا اس نے تھوڑی دیر مجھے غور سے دیکھا پھر مجھ سے الجھ کر میری قمیص پھاڑ دی۔ اگر مجھ میں اس کی جنسیت نہ ہوتی تو وہ منحوس میری طرف یوں متوجہ کیوں ہوتا۔ جب دو شخص آپس میں ملیں تو بلاشبہ ان میں کوئی قدر مشترک ہوتی ہے۔ ہر پرندہ اپنے ہم جنس کے ساتھ اُڑتا ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ یہ سبق دے رہے ہیں کہ انسان کو اپنے اندرونی اوصاف اور رجحانات پر گہری نظر رکھنی چاہیے۔ بیشتر اوقات انسان خود کو سمجھنے میں بھی غلطی کرتا ہے۔

4.12 عربی اور ریت کے بورے – خواہ مخواہ منطقی ہونا رزق تنگ کرتا ہے

ایک بدو اپنے اونٹ پر گندم کی بوری لادے ہوئے تھا اور دوسری طرف وزن برابر کرنے کے لئے اس نے اسی سائز کی ایک ریت سے بھری بوری لادی ہوئی تھی۔ وہ خود دونوں بوروں کے درمیان میں بیٹھا تھا۔

رستے میں ایک فلسفی نے اسے سلام کیا اور اس کا حال احوال پوچھا۔ اس کے بعد پوچھا کہ تم نے ان بوریوں میں کیا بھرا ہوا ہے۔ بدو نے بتایا کہ ان میں سے ایک بوری میں گندم ہے اور دوسری بوری میں ریت۔ اس نے کہا تم نے یہ ریت کیوں لادی ہوئی ہے۔ اس نے کہا تا کہ دوسری بوری عدم توازن سے گر نہ جائے۔

اس پر اس فلسفی نے کہا، اگر تم پہلی بوری کی آدھی گندم دوسری بوری میں ڈال لو تو نہ صرف وزن برابر ہو جائے گا بلکہ تم اور اونٹ اس ریت کے اضافی بوجھ سے بھی بچ جاؤ گے۔ یہ سن کر بدو نے کہا شاباش اے دانا اور شریف آدمی تو اتنا عقلمند اور بہتر رائے دینے والا ہے لیکن عجب بات ہے کہ یوں پرانے لباس میں اور پیدل ہے۔ بدو کو اس دانا پر ترس آگیا اور اس نے چاہا کہ اسے اپنے اونٹ پر بٹھالے۔

بدو دوبارہ مخاطب ہوا اور اسے کہا کہ وہ اپنے بارے میں کچھ بتائے کہ تُو جو اتنا عقلمند ہے، کیا تُو کوئی بادشاہ ہے یا وزیر ہے۔ اس نے کہا میری غریب حالت کو دیکھو میں تو ایک عام آدمی ہوں۔ بدو نے کہا تیرے پاس کتنے اونٹ اور کتنی گائیں ہیں۔ اس آدمی نے جواب دیا میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے، کیوں کریدتے ہو۔ بدو نے کہا تیری کتنی دوکانیں اور مکان ہیں اور ان میں کیا کیا سامان ہے۔ اس نے کہا اس کے پاس نہ تو کوئی مکان ہے، نہ دکان اور نہ ہی کھانے پینے کے کوئی اسباب ہیں اور نہ ہی اچھے کپڑے ہیں۔ بدو نے کہا پھر تیرے پاس کچھ نقد تو ہوگا کیونکہ تو اکیلا پیدل چل رہا ہے اور نہایت عقلمند ہے۔

بدو نے کہا کہ تیری عقل کیمیا کی طرح ہے تو نے یقیناً اپنے مکان پر خزانے جمع کر رکھے ہوں گے۔ اس فلسفی نے جواب دیا خدا کی قسم ایسا کچھ نہیں، میں تو بھوکا ننگا آدمی ہوں کوئی روٹی دے دے تو کھالیتا ہوں۔ مجھے اس دانائی اور ہنر سے سوائے فکر اور دردِ سر کے کچھ حاصل نہیں ہوا۔

یہ سن کر بدو نے اسے کہا کہ چل مجھ سے دور ہو جا، تا کہ تیری بد قسمتی میرے سر پر نہ پڑے۔ ایسی منحوس دانائی کو مجھ سے دور لے جا۔ تیری عقل تو سارے زمانے کے لئے بد بختی ہے، تو اگر اِدھر جا رہا ہے تو میں اُدھر جا رہا ہوں، اگر تُو آگے جا رہا ہے تو میں پیچھے جا رہا ہوں۔ میری ایک گندم اور ایک ریت کی بوری تیری منحوس تدبیروں اور دانائی سے بہت اچھی ہیں۔ میری کم عقل بہت مبارک چیز ہے کہ میرا دل سیر اب ہے اور میری جان مصیبتوں سے محفوظ ہے۔ تو بھی اگر چاہتا ہے کہ تیری بد بختی کم ہو جائے تو کوشش کر کہ تیری دانائی کم ہو جائے۔ وہ دانائی جو طبیعت اور خیال سے پیدا ہوتی ہے، جس کا مقصد محض مادی جہت سے ہوتا ہے وہ اللہ کے نور سے بے فیض ہوتی ہے۔ دنیا کی سمجھ ظن اور شک بڑھاتی ہے جبکہ دین کی سمجھ انسان کی روح کو آسمان پر لے جاتی ہے۔

اس آخری زمانے کی چالاک لومڑیوں نے اپنے آپ کو خوب بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے۔ یہ صاحب کمال چالاک لومڑیاں اپنے آپ کو صاحب حال اولیاء سے برتر سمجھتی ہیں۔ لیکن ایسا کیسے ہو سکتا ہے، حیلہ بازوں نے حیلے اور مکر سیکھے ہوئے ہیں۔ صبر، ایثار، سخاوت اور مہربانی جیسی صفات تو انسان کو نفع پہنچانے کے لئے اکسیر ہیں ان مکار اور حیلہ باز لوگوں نے ان صفات کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔ سمجھ تو وہ ہے جس سے راستہ کھلے۔ اور راستہ وہ ہوتا ہے جو بادشاہ تک لے جائے اور بادشاہ وہ ہوتا ہے جو اپنی ذات میں بادشاہ ہوتا ہے۔ جس کی بادشاہی ابدی ہوتی ہے جیسے دین محمدی کی بادشاہی ابدی ہے اور قیامت تک اس بادشاہی اور شریعت کو زوال نہیں۔

خلاصہ

اس حکایت میں وہ دیہاتی جس نے گندم کے بورے کا وزن برابر کرنے کے لئے ریت کا ایک بورا دوسری طرف لادا ہوا تھا وہ ایسا شخص ہے جو اپنی زندگی کے امور میں سادہ اور مخلص ہے اور تلاش معاش میں پیچیدہ سوچ نہیں رکھتا۔ ایسا آدمی دوسروں کے ساتھ معاملہ کرنے میں بھی یہی سادہ اور مخلص رویہ اپناتا ہے۔ اس کے برعکس وہ آدمی جو اسے مشورہ دیتا ہے کہ ریت کی بجائے گندم کو تقسیم کر کے دونوں طرف رکھ لو، وہ آدمی اپنے دنیاوی امور میں چالاک تر ہے اور ایسی ہی چالاکی اس کے دوسروں کے ساتھ معاملہ کرنے میں بھی جھلکتی ہے۔ دیہاتی کی سادگی اور آسان معاملہ کرنے والی عادت اسے جواباً خوشحال اور مالدار رکھتی ہے جبکہ اس عقلمند کی چالاکی اور دوسروں کے ساتھ معاملہ کرنے میں ہوشیاری جواباً اس کو پریشان حال رکھتی ہے اور اس کی زندگی کو مشکل تر بناتی ہے۔

4.13 شیر اور خرگوش – دوسروں میں اپنا عکس

ایک جنگل میں جانوروں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہر وقت چھائی ہوئی خوف کی فضاء کو ختم کیا جائے۔ شیر کے اچانک حملے اِن کی پُرسکون زندگی کو مسلسل خوف میں مبتلا کیے ہوئے تھے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہم اپنے جانوروں میں سے روز ایک جانور شیر کو کھانے کے لئے پیش کر دیا کریں گے، اس طرح باقی تمام جانور امن میں رہیں گے اور انہیں حملے کا اندیشہ نہیں ہو گا۔

چنانچہ وہ یہ تجویز لے کر شیر کے پاس گئے اور اسے قائل کرنے کی کوشش کی کہ وہ شکار کے لئے جدوجہد ترک کر دے اور ہمارا بھیجا ہوا ایک جانور کھا کر گذارا کرے۔ شیر نے پہلے تو ان کی بات ماننے سے انکار کیا اور کہا کہ جدوجہد سے بھرپور زندگی ہی بہترین زندگی ہے اور وہ آزاد و خود مختار رہنے کو ہی ترجیح دے گا۔ لیکن بالآخر وہ قائل ہو گیا۔ یوں روزانہ ایک جانور اس کے پاس آتا اور وہ اسے کھالیتا۔

ایک دن جب خرگوش کی باری آئی کہ وہ شیر کا لقمہ بنے تو اس نے باقی جانوروں کے ساتھ مل کر انہیں اپنی سکیم بتائی۔ جس سے وہ شیر سے چھٹکارہ حاصل کر سکتے تھے۔ چنانچہ سکیم کے مطابق خرگوش نے شیر کو جنگل میں ایک پانی کے کنویں کے پاس لے کر جانا تھا اور یہ باور کرانا تھا کہ جنگل میں ایک اور شیر گھس آیا ہے جو کہ اس پانی کے کنویں میں ہے۔ چنانچہ خرگوش مقّررہ دن پر کچھ دیر سے شیر کے پاس پہنچا اور اسے جنگل میں دوسرے شیر کے متعلق بتایا جو اب اس کے علاوہ جنگل میں بادشاہت کا دعوے دار تھا۔ اس پر اس شیر کو بہت غصّہ آیا اور اس نے خرگوش کو اس کنویں کے پاس لے جانے کے لئے کہا۔ خرگوش اس کو جنگل میں اس کنویں کے پاس لے گیا اور پیچھے ہٹ کے کھڑا ہو گیا۔ شیر غصّے میں تھا۔ اس نے پانی میں اپنا عکس دیکھا تو اسے دوسرا شیر سمجھا اور غرّا کر پانی میں چھلانگ لگا دی۔ یوں وہ پانی میں ڈوب گیا اور کنویں سے باہر نہ نکل سکا۔

خلاصہ

اس کہانی کا ایک سبق یہ ہے کہ انسان جو بُری صفات دوسروں میں دیکھتا ہے اکثر وہ اس کی اپنی صفات ہی ہوتی ہیں۔ دوسروں کے اندر اکثر انسان کی اپنی ہستی ہی نمایاں ہو رہی ہوتی ہے۔ شیر نے اپنے آپ کو کنویں میں دیکھا اور غلطی سے اسے اپنا دشمن سمجھ بیٹھا اور کنویں میں چھلانگ لگا کر اپنا نقصان کر لیا۔ اگر اس نے اپنی اصلاح کی ہوتی تو اس کو اپنا عکس خوشنما دکھائی دیتا اور یوں غصّے میں چھلانگ لگا کر اپنا نقصان نہ کرتا۔

اس کہانی کا دوسرا سبق یہ ہے کہ انسان کو جدوجہد اور اختیار کا بھرپور استعمال کرنا چاہیے۔ شیر کا زوال جانوروں کی باتوں میں آکر اپنی کوشش کو ترک کرنے سے شروع ہوا۔ یوں وہ پہلے ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے خود بخود پاس آنے والے جانور کو کھانے تک محدود اور مجبور ہوا اور بعد میں ان کی چال میں پھنس گیا۔

4.14 کانٹے – بُری عادات سے جلد چھٹکارا پانا چاہیئے

ایک سنگدل انسان نے راستے میں کانٹوں کی جھاڑی اُگا رکھی تھی۔ راستہ چلنے والے لوگ اس کو کہتے کہ اس کانٹے دار جھاڑی کو اکھاڑو، لیکن وہ اسے باقی رکھنے پر مُصر تھا۔ وہ جھاڑی بڑھتی رہی اور راستہ چلنے والے لوگوں کے پاؤں خون آلود ہوتے رہے اور کپڑے پھٹتے رہے۔

جب شہر کے حاکم کو اس برے کام کی خبر ہوئی تو اس نے حکم دیا کہ اس جھاڑی کو اُکھاڑو۔ حاکم کے پیغام پر اس نے کہا کہ ہاں میں اس کو اُکھاڑ دوں گا۔ ایک مدت تک وہ کل اور کل کا وعدہ کرتا رہا اور وہ جھاڑی تناور ہوتی رہی۔ حاکم نے کہا اے وعدہ خلاف ہمارے حکم کی بجا آوری کر ٹال مٹول سے کام نہ لے۔ تیرے کل اور کل کے وعدے سے یہ خراب درخت زیادہ جوان ہوتا جارہا ہے اور تو اس کو اکھاڑنے والا بوڑھا اور مجبور ہوتا جارہا ہے۔ جلدی کر اور اپنا وقت ضائع نہ کر۔

اے بھائی اپنی بری عادات کو کانٹے دار درخت سمجھ، بارہا یہ کانٹا تیرے پیر میں چبھا ہے۔ کئی بار تو اپنے ان افعال پہ نادم ہوا ہے۔ پھر بھی تجھے احساس نہیں۔ تو سخت بے حِس ثابت ہوا ہے۔ تو نہ صرف ان خاردار عادتوں سے دوسروں کے زخمی ہونے سے غافل ہے بلکہ اپنے زخمی ہونے سے بھی غافل ہے۔ تو ہمت کا کلہاڑا لے اور زور سے اس درخت کی جڑ پہ مار اور اس درخت کو ایسے اکھیڑ دے جیسے حضرت علیؓ نے قلعہ خیبر کے دروازے کو اکھیڑ اٹھایا پھر حضرت صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا طریقہ اختیار کر۔ خبر دار دوسروں کے طریقے مت اختیار کر۔

خبر دار وقت تھوڑا رہ گیا ہے جلدی سے یہ کام کر لے۔ جب تک عمر کا چراغ بجھا نہیں جلد اس میں بتّی اور تیل مہیّا کر لے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ انسان کو بری عادات سے جلد چھٹکارہ پانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ان بری عادات کے درخت کی جڑ کو جتنا جلدی ہو سکے نکال پھینکنا چاہیے تاکہ انسان اپنے آپ اور دوسروں کو زخمی ہونے سے بچا سکے اور روح کے پاکیزہ درخت کی شادابی کو رستہ دے سکے۔

4.15 شیر اور گائے – تقلیدی ایمان سے عین الیقین نہیں حاصل ہوتا

ایک دیہاتی کی گائے رات کو باڑے میں بندھی ہوئی تھی۔ اچانک ایک شیر آیا اور گائے کو چیر پھاڑ دیا۔ گائے کو کھانے کے بعد شیر گائے کی جگہ بیٹھ گیا۔

دیہاتی رات کو گائے دیکھنے کے لئے اُٹھا۔ وہ شیر کو گائے سمجھ کر اس پر ہاتھ پھیرتا تھا۔ کبھی پیٹ پر، کبھی کمر پر، کبھی اوپر اور کبھی نیچے۔ شیر نے دل میں کہا اگر روشنی ہوتی تو ڈر سے اس کا پِتا پھٹ جاتا اور دل خون ہو جاتا۔ یہ دیہاتی نڈر ہو کر مجھے سہلا رہا ہے کیونکہ وہ اندھیرے میں مجھے گائے سمجھ رہا ہے۔

اللہ تعالٰی فرماتا ہے اے دھوکے میں مبتلا اندھے انسان، کیا میرے نام سے کوہِ طور ریزہ ریزہ نہیں ہوا۔ اگر ہم اپنی کتاب پہاڑ پر اتارتے تو وہ ہمارے خوف سے پھٹ جاتی۔ اگر اُحد پہاڑ اللہ تعالٰی سے واقف ہوتا تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔

تو ماں باپ سے سن کر اللہ تعالٰی پر ایمان لایا ہے۔ لامحالہ تو غفلت پر مبنی تعارف رکھتا ہے۔ تو محض تقلید سے اس کو جانتا ہے۔ اگر تو بغیر تقلید کے اس سے واقف ہو جائے تو خوف سے فرشتے کی طرح لطیف ہو کر بے نشان ہو جائے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں یہ سبق دے رہے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالٰی کی ذات سے حقیقی تعلق قائم کرنا چاہیے۔ محض تقلیدی ایمان اتنا فائدہ نہیں دیتا جتنا فائدہ عین الیقین سے حاصل ہوتا ہے۔ بیشتر اوقات تقلید انسان کو حقیقت سے غافل رکھتی ہے۔

4.16 تقلید، سماع اور گدھا – لالچ اور اندھی تقلید بڑا نقصان دیتی ہے

ایک صوفی اپنے گدھے پر سوار ایک خانقاہ میں پہنچا۔ وہ تھکا ہوا تھا اس نے گدھا خانقاہ کے خادم کے سپرد کیا کہ وہ اسے اصطبل میں باندھ دے اور خود خانقاہ کے مرکزی حصّے میں آگیا۔

خانقاہ کے مقیمین کے ہاں کافی دنوں سے فاقہ چل رہا تھا۔ ان کے دل میں لالچ پیدا ہوا کہ کیوں نہ آج رات صوفی کے اس گدھے کی دعوت اڑائی جائے، وہ صوفی کے پاس آئے۔ اس کے ہاتھ پیر دبائے تا کہ اس کی تھکاوٹ اترے۔ صوفی اس خدمت سے سکون میں آگیا۔ پھر انہوں نے صوفی رقص شروع کیا، یہ صوفی بھی ان کے ساتھ رقص میں شامل ہو گیا۔ ادھر یہ رقص میں تھے اور ادھر خانقاہ کے خادم گدھے کو ذبح کر کے بھون رہے تھے۔

اتنے میں قوالی شروع ہو گئی جب محفل زوروں پر تھی تو قوال کے منہ سے بے ساختہ نکلا "خر برفت" "خر برفت" یعنی گدھا چلا گیا یہ صوفی بھی تقلید اور مستی میں گاتا رہا خر برفت، خر برفت۔ قوالی کے اختتام پر سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ اس صوفی نے بھی سیر ہو کر کھایا اور سو گیا۔

اگلی صبح جب یہ جاگا اور اصطبل میں گیا تو اپنا گدھا موجود نہ پایا، خادم سے استفسار کیا تو اس نے بتایا کہ تمہارے گدھے کو ذبح کر کے دعوت اڑا دی گئی اور تو خود بھی ان کھانے والوں میں شامل تھا۔ صوفی نے خادم سے کہا تو نے ان لوگوں کو روکا کیوں نہیں۔ تو نے مجھ پردیسی پر ظلم کیا اب میں اپنا سفر کیسے جاری رکھ سکوں گا۔ خادم نے کہا میں شکایت لے کر تیرے پاس خانقاہ کے مرکزی ہال میں گیا تھا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ تو قوالی میں مست تھا اور گا رہا تھا کہ "خر برفت"، جب میں نے تجھے یہ کہتے سنا تو سمجھا کہ تو اس سے باخبر ہے اس لئے واپس آگیا۔ یہ سن کر صوفی لاجواب ہو گیا اور پچھتا تا رہ گیا۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ یہ سبق دیتے ہیں کہ اندھی تقلید انسان کے شعور کو دبا دیتی ہے ایسے میں اسے کچھ سمجھ نہیں آتا کہ وہ کیا کر رہا ہے اور کیوں کر رہا ہے۔ جیسے اس صوفی نے باقی لوگوں کی تقلید میں خر برفت کہنا شروع کیا جو دراصل اس کے اپنے گدھے کے ذبح ہونے کی داستان تھی۔

4.17 چار نمازی – دوسروں کی عیب جوئی اپنے عیب کا باعث ہے

چار ہندوستانی نماز کے لئے مسجد میں گئے۔ انہوں نے تکبیر کہی اور نماز پڑھنے لگ گئے۔ اتنے میں مؤذن مسجد میں آیا۔ جب مؤذن مسجد میں آیا تو ایک نمازی بولا اے مؤذن کیا تو نے اذان دے دی ہے۔ دوسرا نمازی بولا اوئے یہ تم نے نماز میں بات کر دی، تیری تو نماز ٹوٹ گئی، اس پر تیسرا بولا تو پہلے کو کیا کہتا ہے تیری تو اپنی بھی ٹوٹ گئی۔ اس پر چوتھا بولا شکر ہے میں نے ان تینوں کی طرح نہیں بولا۔

یوں ان چاروں کی نماز برباد ہو گئی۔ عیب جوئی نے ان کو پہلے نمازی کے عیب سے زیادہ عیب زدہ کر دیا۔ اگر باقی تین خاموش رہتے اور محض اپنے عیبوں پر نظر رکھتے تو ان کی نماز محفوظ رہتی۔ لیکن پہلے نمازی کا عیب بیان کرتے ہوئے وہ خود بھی عیب زدہ ہو گئے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں عیب جوئی سے منع کرتے ہیں۔ اور خاموش رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ یہ خاموشی ہمیں ہمارے اپنے عیبوں کو پہچاننے میں مدد کرتی ہے اور یوں ہم اپنی اصلاح کی طرف متوجّہ ہوتے ہیں۔

4.18 حضرت شعیب اور گناہ گار شخص - گناہوں پر استمرار اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے

حضرت شعیبؑ کے زمانے میں ایک شخص کہتا کہ میں نے بہت گناہ کیے ہیں لیکن میرا خدا کریم ہے اور وہ میری پکڑ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیبؑ سے کہا یہ جو بندہ کہہ رہا ہے کہ اس نے بہت گناہ کیے اور اس کی پکڑ نہیں ہوتی اسے بتا کہ بے وقوف تو غلط کہتا ہے۔ میں تیری بار بار پکڑ کرتا ہوں لیکن تو اس بات سے بے خبر ہے۔ تو سر سے پیر تک زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔

ایک نئی دیگ پر تو دھویں کے آثار نظر آتے ہیں لیکن ایک ایسی دیگ جس پر کالک کی ستر تہیں چڑھی ہوں اس پر نیا دھواں کب محسوس ہوتا ہے۔ اس بندے کے زنگوں پر زنگ چڑھا ہوا ہے۔ جس نے اس کی اصل کو اندر سے کھا لیا ہے۔ حبشی لوہار کے چہرے پر دھویں کے آثار کب نظر آتے ہیں۔ اگر کوئی رومی لوہار ہو تو اس کے چہرے پر یہ آثار دیکھے جا سکتے ہیں۔ جب حضرت شعیبؑ نے اس آدمی کو یہ باتیں بتائیں تو اس نے کہا لیکن میری پکڑ کی نشانیاں بتاؤ۔ اس پر حضرت شعیبؑ نے اللہ تعالیٰ سے کہا یہ بندہ نشانی مانگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسے بتاؤ کہ وہ نماز پڑھتا، روزہ رکھتا اور زکوٰۃ دیتا ہے لیکن ان سب عبادات سے اسے کوئی ذوق حاصل نہیں ہوتا۔ یہ ہی اس کی پکڑ کی نشانی ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ انسان گناہوں پر گناہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو دھوکا دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا ہے، اگر اس کی روح پر نظر ڈالی جائے۔ تو وہ گناہوں کے زیر اثر سیاہ ہو چکی ہوتی ہے۔ ایسا آدمی عادتاً عبادات کرتا ہے لیکن ان عبادات کا اسے کوئی ذوق حاصل نہیں ہوتا۔

5 کن چیزوں کو اپنائیں

بار بازر گاں چو در آب او فتد
دست اندر کالہ بہتر زند
کشتی مالش بغر قاب ار فتد
ہر چہ نازل تر بدر یاا فگند
چو نکہ چیزے فوت خو اہد شد در آب
تر ک کمتر گوئی و بہتر رابیاب

جب تاجروں کا سامان پانی میں ڈوب جاتا ہے
تو وہ صرف قیمتی چیز کو ہاتھ ڈالتے ہیں
اگر مال سے بھری کشتی ڈوبنے لگتی ہے
تو حقیر مال کو دریا میں پھینکتے ہیں
چونکہ کوئی نہ کوئی چیز تو لازماً ضائع ہونی ہے
تو کمتر کو پھینک اور بہتر کو اپنے پاس رکھ

5.1 کلموا الناس – فرقِ مراتب کا لحاظ رکھنا

نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے کہ لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق بات کرو۔ حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس لئے ہے کہ لوگ سمجھ نہ ہونے کی وجہ سے انکار کر دیں گے اور یوں یہ ان کے لئے نقصان کا باعث ہو گا۔

خلاصہ

اس مضمون میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں اس بات کا سبق دیتے ہیں کہ تمام لوگ ایک طرح کی عقل و فہم کے لیول پر نہیں ہوتے اور ہمیں ان سے بات کرتے ہوئے اس اصول کا خیال رکھنا چاہیے۔ جتنی جس کی سمجھ ہو اتنی سمجھ کے لیول پر اس سے بات کرنی چاہیے۔

5.2 توکّل اور کوشش – توکّل اور کوشش دوست ہیں

اگرچہ توکّل بھی رہنمائی کرتا ہے لیکن سبب اختیار کرنا پیغمبرؐ کی سنت ہے۔ نبی پاکؐ کا حکم ہے کہ توکّل کے لئے اونٹ کا پاؤں باندھ لو۔ حدیث میں آتا ہے کہ "محنت کرنے والا اللہ کا دوست ہے" اس لئے توکّل کی وجہ سے محنت کرنے سے نہ کتراؤ۔ اصل توکّل کوشش کے ساتھ توکّل کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاؤں کے سامنے سیڑھی رکھ دی ہے جس پر رفتہ رفتہ چڑھنا چاہیے۔ پاؤں کے ہوتے ہوئے لنگڑا اور ہاتھ کے ہوتے معذور بننا ٹھیک نہیں۔ جب آقاؐ نے غلام کو بیلچہ تھما دیا تو پھر یہ کام کرنے کی طرف اشارہ ہے ایسے ہی ہمارے ہاتھ پاؤں محنت کرنے کا اشارہ ہیں۔ خود کو مجبور سمجھنا ڈاکوؤں کے درمیان سو جانا ہے۔ اگر توکّل کرنا ہے تو محنت میں کرو تاکہ تم نجات پاؤ۔ انبیاءؑ اور رسولوں کی کوششیں، نیک لوگوں کی تگ و دو اور مومنین کا جہاد ہمت سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہوئیں۔ یہ سب کوششیں توکّل کو ملحوظ رکھ کر کی گئیں۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ انسان کو مسلسل محنت کا سبق دیتے ہیں اور توکّل کو محنت کے ساتھ ساتھ اختیار کرنے کا درس دیتے ہیں۔ ایک بے کار اور کاہل انسان کا توکّل قبولیت کے معنی سے عاری ہوتا ہے۔

5.3 جہاد اکبر – دل کی پاکیزگی

اس مضمون میں مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے باہر کے دشمن کو تو مار ڈالا ہے لیکن اندر کا بدتر دشمن باقی ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ اندر کا خرگوش شیر کے قابو میں نہیں آتا (حکایت نمبر 4.13)۔ یہ نفس دوزخ ہے اور دوزخ ایک اژدھا ہے۔ اگر وہ سات سمندروں کو بھی پی لے تو اس کی جلن کم نہیں ہوتی۔ اس کے پیٹ میں کتنے ہی پتھر اور کافر داخل ہوں گے لیکن اس دوزخ کا پیٹ نہیں بھرے گا۔ ہمارا نفس دوزخ کا حصہ ہے اور اجزاء کل کی طبیعت سے ہی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے اس نفس کی آگ پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ وہ شیر بننا جو چیرنے پھاڑنے میں لگا ہو آسان ہے، لیکن اصل شیر وہی ہے جو خود کو شکست دے۔ تا کہ وہ اللہ کی مدد سے اللہ کا شیر بن جائے اور نفس اور اس کے فرعون سے نجات پائے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں اپنے نفس یعنی اپنے حیوانی تقاضوں اور شہوات کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ ایسے جہاد کو نبی پاکؐ نے جہاد اکبر کا نام دیا ہے۔ حیوانی جبلتوں کے ساتھ جہاد کر کے ہی انسان روح کے مُلک کو فتح کر سکتا ہے۔

5.4 آدمؑ کی غلطی – عاجزی اور توبہ کی اہمیت

جب آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنی خطا کی مغفرت مانگی تو "رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا" (اے ربّ ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا) کے الفاظ میں غلطی کو اپنی طرف منسوب کیا۔ حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ جب توبہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا کہ کیا تیرے اندر وہ جرم اور مصیبتیں میں نے نہیں پیدا کی تھیں۔ کیا وہ سب میری تقدیر اور قضا نہیں تھی۔ پھر تو نے اس غلطی کو اپنے کھاتے میں ڈال کر یہ سب کیوں چھپا لیا؟ آدمؑ نے کہا میں ڈرا اور ادب کو نہ چھوڑا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں بھی تجھے اس پر اجر دوں گا۔

جو تعظیم کرتا ہے وہ بدلے میں عزت پاتا ہے۔ شُکر کرنے والے کو اور زیادہ ملتا ہے۔ اچھی چیزیں اچھوں کے لئے ہیں دوست کو خوش کرنے والے کو دوست بھی خوش کرتا ہے۔ حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی آفرینش ہمارے افعال کی موجد ہے اور ہمارے افعال اس عظیم آفرینش کے آثار کے تحت ہی ہیں لیکن ہمارے یہ افعال ہمارے اختیار میں ہیں اسی لئے ہمیں اپنے افعال کے نتیجے میں کبھی فائدہ اور کبھی نقصان ہوتا ہے۔ حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کوئی آنکھ بیک وقت آگے اور پیچھے نہیں دیکھ سکتی۔ جب ہم آگے دیکھتے ہیں تو پیچھے سے غافل ہو جاتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات سب پر حاوی ہے۔ اس کو ایک کام دوسرے کام سے نہیں روکتا۔ یوں اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ لیکن ہم محض اپنے حوالے سے چیزوں کو جانتے ہیں اور اسی حوالے سے اپنا اختیار استعمال کر کے اچھی اور بری جزا سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ اسی حوالے سے حضرت مولانا رومیؒ ایک دوسری طرف بھی ہماری توجہ دلاتے ہیں کہ آدمؑ نے تو غلطی کو اپنی طرف منسوب کیا اور ادب سے کام لیا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے شیطان سے سجدہ نہ کرنے

پر استفسار کیا تو اس نے کہا ایسا اس لئے کیا کہ تُو نے مجھے گمراہ کیا۔ یعنی شیطان نے اپنی نافرمانی کو ماننے سے انکار کیا اور یوں وہ مردود ٹھہرا۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں ادب کی تلقین کرتے ہیں۔ آدمؑ نے غلطی کو اپنی طرف منسوب کرکے ادب کیا اور ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اس کے برعکس شیطان نے نافرمانی کی اور مردود ٹھہرا۔

5.5 حکیم سنائی – اگر ناز کے قابل نہیں تو عاجزی بہتر ہے

اس مضمون میں حضرت مولانا رومیؒ حکیم سنائیؒ کے ایک قول کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ناز کرنے کے لئے گلاب جیسا چہرہ چاہیے اور اگر تو ایسا چہرہ نہیں رکھتا تو پھر ناز و افتخار سے باز رہ۔ اندھی آنکھ کو کھلا ہوا رکھنا اور بدصورت چہرے کے ساتھ ناز کرنا ایک عیب ہے۔ حکیم سنائیؒ کی نصیحت کو غور سے سنو، تاکہ تمہارے پرانے جسم میں کچھ نیا پیدا ہو۔ تاکہ تم مٹی اور پانی والی حیثیت سے باہر آؤ۔ حکیمؒ نے کہا کہ یوسف کے سامنے ناز اور نخرے نہ کر بلکہ عاجزی کر اور آہِ یعقوبی سے کام لے۔ حکایت نمبر 1.3 میں طوطے کا مرنا عاجزی کی طرف اشارہ تھا۔ تو بھی عاجزی اور محتاجی میں اپنے آپ کو مردہ بنالے۔ ایسا کرنے سے عیسیٰؑ کا دم تجھے زندہ، نیک اور مبارک بنادے گا۔ پتھر موسم بہار میں بھی سرسبز نہیں ہوتا۔ تُو مٹی بن جا، تاکہ تیرے اندر رنگ برنگ پھول اُگیں۔ تو سالوں پتھر رہا ہے۔ میرے کہنے پر آزمائش کے طور تھوڑی دیر کے لئے خاک بن جا اور پھر نتیجہ دیکھ لے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں عاجزی کا سبق دیتے ہیں کہ عاجز نفس کی مٹی سے ایک دن پھول ضرور اُگ آتے ہیں جبکہ پتھر کبھی ہرا نہیں ہوتا۔

5.6 فرشتوں کی دعا – عاشق کی سخاوت جان خرچ کرنا ہے

نبی پاکؐ نے فرمایا کہ ہر روز دو فرشتے سرِعام اعلان کرتے ہیں۔ ایک فرشتہ کہتا ہے اے اللہ ہر خرچ کرنے والے کو اس کا بدلہ عطا کر جبکہ دوسرا فرشتہ کہتا ہے اے اللہ ہر بخیل کے مال کو تباہ کر دے۔

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ موقع دیکھ کر خرچ کرنا اور خرچ کرنے سے رک جانا بھی ایک حکمت ہے۔ ہر چیز اپنے موقع پر ہی اثر کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مال کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر ہی خرچ کرنا چاہیے تاکہ اس کے بدلے میں لاتعداد خزانے ملیں اور انسان کافروں کے شمار میں نہ آئے۔ مشرکین مکّہ اس نیت سے اونٹوں کی قربانی کرتے تھے کہ وہ نبی پاکؐ پر جنگ میں غلبہ پاسکیں۔

اللہ تعالیٰ کا حکم کسی صاحب عرفان سے پوچھنا چاہیے۔ ہر دل میں یہ صلاحیّت نہیں ہوتی کہ وہ موقع کے مطابق خدا کا حکم معلوم کر سکے۔ کسی بادشاہ کے ایک بے وقوف غلام نے خزانے سے بہت سارا مال باغیوں کے اوپر خرچ کر دیا۔ وہ نادان یہ سمجھا کہ اس نے مسکینوں کی مدد کی ہے۔ دراصل اس نے باغیوں پر مال خرچ کر کے بادشاہ سے عداوت کی۔ اس نادان غلام کا رُتبہ بادشاہ کے سامنے بڑھنے کی بجائے گھٹ گیا۔ اب وہ انعام کی بجائے بادشاہ سے سخت سزا کا حقدار ہو گیا۔ قرآن پاک میں غافلوں کے لئے سخت سزا کی دھمکی ہے اور ان کی فضول خرچیاں ان کے لئے حسرت کا سبب بنیں گی۔

جس طرح دولت مند کے لئے روپیہ پیسہ خرچ کرنا سخاوت ہے ایسے ہی عاشق کی سخاوت اپنی جان حق کے سپرد کر دینا ہے۔ اگر تو خدا کے لئے روٹی خرچ کر گیا تو تجھے روٹی دیں گے اور اگر جان دیگا تو تجھے جان دیں گے۔

جب چنار کے پتے جھڑ جاتے ہیں تو خدا اس کو ڈھیر سے نئے پتے عطا کرتا ہے۔ جو بوتا ہے اس کا ڈھیر خالی ہو جاتا ہے لیکن پھر منوں کے حساب سے اناج حاصل ہوتا ہے۔ لیکن جو بونے سے انکار کر دے تو اس کے موجودہ دانے بھی گھن اور چوہے کھا جاتے ہیں۔

اے انسان اپنی کھاری اور کڑوی جان کو خرچ کر دے تاکہ تجھے میٹھے دریا جیسی نئی جان عطا کر دی جائے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ سخاوت کی تعلیم دیتے ہیں۔ ایسے میں یہ سخاوت مال سے شروع ہو کر جان کی سخاوت تک پہنچنی چاہیے۔ مال خرچ کرنے والوں کو بدلے میں مال ملتا ہے اور جان خرچ کرنے والوں کو بدلے میں جان ملتی ہے۔

5.7 شیر کا ٹیٹو – مشقّت برداشت کرنا روح کو رستہ دیتا ہے

ایک آدمی ایک ٹیٹو بنانے والے کی دکان پر گیا اور کہا کہ مجھے شیر کا ٹیٹو بنوانا ہے۔ دکان والے نے پوچھا کہ کس جگہ بناؤں۔ اس نے کہا میرے کندھے پر بنا دو۔ جب اسے ٹیٹو بناتے وقت سوئیاں چبھیں تو اسے کندھے میں تکلیف ہونے لگی۔ وہ رونے لگا کہ کمبخت تو کیا بنا رہا ہے۔ دکان والے نے کہا کہ تم نے مجھے خود شیر کی تصویر بنانے کا کہا ہے۔ اس آدمی نے کہا یہ تو بتا کونسا عضو بنا رہا ہے۔ اس نے کہا میں نے دم کی طرف سے شروع کیا ہے۔ اس نے کہا دُم کو چھوڑو۔ بے دُم شیر ہی سہی۔ آگے چلو۔ دکان والے نے پھر کام شروع کیا تو وہ آدمی دوبارہ چِلاّ اٹھا کہ درد ہو رہا ہے۔ دکان والے سے پوچھا کہ اب کیا بنا رہے ہو۔ اس نے جواب دیا کان بنا رہا ہوں۔ اس نے کہا کان کو بھی چھوڑو آگے چلو۔

دکان والے نے پھر پیٹ بنانا شرع کیا تو اس نے درد کی وجہ سے پیٹ بھی رکوا دیا۔

اس پر دکان والے نے سوئی پھینک دی اور بولا، شیر جس کا نہ سر ہو، کان نہ ہو اور پیٹ نہ ہو، ایسا شیر تو خدا نے پیدا ہی نہیں کیا۔ جب تو سوئی چبھنے کا درد سہنے کی طاقت ہی نہیں رکھتا تو پھر شیر کے بارے میں بات ہی نہ کر۔ اے بھائی سوئی کے درد پر صبر کر، تا کہ تو اپنے بے دین نفس کے ڈنک سے بچ جائے۔ جو لوگ اپنے وجود سے آزاد ہو گئے ہیں، آسمان، سورج اور چاند ان کو سجدہ کرتے ہیں۔

جسم کو مشقّت اور ریاضت سے زیر کرنا روح کو رستہ دینا ہے۔ سوئیوں کے چبھنے کے بعد ہی جسم پر شیر کا ٹیٹو سجایا جا سکتا ہے۔ خدا کی عظمت کا نظارہ کرنا اپنے آپ کو خوار کرنا اور مٹی بنا لینا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو جاننا دراصل واحد کے سامنے اپنے آپ کو جلا لینا ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں مولانا رومیؒ بتاتے ہیں کہ اپنی ہستی کو ہستی نواز کے سامنے ایسے پگھلا دے جیسے کیمیا تانبے کو پگھلا دیتی ہے۔ تو نے "من وما" کو بہت سختی سے پکڑ رکھا ہے۔ یہ ساری خرابی اسی سے پیدا ہوتی ہے۔

5.8 شیر، بھیڑیا اور لومڑی – پچھلوں کے واقعات سے عبرت لینا چاہیے

شیر، بھیڑیا اور لومڑی شکار کے لئے گئے تو انہوں نے ایک بیل گائے، ایک بکری اور ایک خرگوش کا شکار کیا۔

جب وہ شکار لے کر واپس آئے تو شیر نے بھیڑیے سے کہا کہ تو بتا کہ ہم اس شکار کو کیسے تقسیم کریں۔ بھیڑیے نے کہا گائے آپ کے لئے کیوں کہ آپ بڑے ہیں جبکہ میں درمیانہ ہوں اس لئے بکری میرے لئے اور خرگوش لومڑی کے لئے۔ اس پر شیر غصّہ میں آگیا اور بولا کہ کیا تجھے مجھ بادشاہ کا ساتھ کافی نہیں تھا کہ تو نے یہ گستاخی کی اور مجھ سے حصّہ طلب کیا۔ شیر نے ایک ہی وار میں بھیڑیے کو دبوچ کے اس کا مغز باہر نکال دیا۔

پھر شیر نے لومڑی سے پوچھا کہ وہ کیسے تقسیم کرے گی تو لومڑی نے کہا کہ آپ بادشاہ ہیں آپ ناشتے میں گائے تناول فرمائیں۔ دن کے کھانے میں بکری اور رات کو خرگوش۔ اس پر شیر خوش ہوا کہ تو نے بادشاہ کے سامنے اپنے حصّے کی مکمل نفی کر دی۔ تو نے سب کچھ بادشاہ کا سمجھا، جا تو یہ تینوں شکار لے جا سب کچھ تجھے انعام میں دے دیا۔ شیر نے پھر لومڑی سے پوچھا کہ تو نے یہ تقسیم کہاں سے سیکھی۔ لومڑی نے کہا کہ میں نے بھیڑیے کے انجام سے یہ سب کچھ سیکھا۔

حضرت مولانا رومیؒ اس حکایت سے ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی خدائی میں کسی شراکت کا طلب گار نہیں ہونا چاہیے ورنہ ہم مصیبت کا شکار ہو جائیں گے۔ بلکہ ہمیں اپنی ذات کی نفی پر کھڑا ہونا چاہیے۔ ہماری نفی اور ہمارا عجز دیکھ کر بادشاہ ہم پر مہربان ہو گا اور ہم انعامات کے حقدار ٹھہریں گے۔

خلاصہ

اس حکایت میں دوسرا سبق یہ ہے کہ ہم جس زمانے میں پیدا ہوئے ہیں اس سے پہلے گزرنے والی قوموں پہ جو عذاب آئے ہیں ہمیں ان سے سبق سیکھنا چاہیے۔ جن کاموں کی وجہ سے وہ قومیں عذاب کا شکار ہوئیں، ہمیں ان کاموں سے باز رہنا چاہیے۔

5.9 فتح مکہ اور رسولؐ - قلب کے مکّہ کی فتح دنیاوی غرض سے نہیں ہونی چاہئے

حضور پاکؐ کی فتح مکّہ کی کوشش دنیا کی محبت کے لئے نہیں تھی۔ جس ذات نے سات آسمانوں کے خزانوں سے دل کی آنکھ بند کرلی، جس کے دیدار کے لئے حوریں اور روحیں ہر وقت مشتاق تھیں، جس کے راہ میں مقدّس فرشتے پَر پھیلاتے تھے، جس کے دیدار کی خواہش رکھنے والے سینکڑوں یوسف ہر وقت موجود رہتے تھے تو ایسی ہستی کے لئے مکّہ، شام اور عراق کی کیا اہمیت ہے۔

نبی پاکؐ کا مکّہ کو فتح کرنا دنیا کی محبت کی وجہ سے نہ تھا کیونکہ انہوں نے خود فرمایا کہ دنیا مردار اور اسکے چاہنے والے کُتّے ہیں۔ یوں مکّہ کو فتح کرنا اللہ کے حکم سے تھا اور دین کی سربلندی کے لئے تھا۔

خلاصہ

اس مضمون میں حضرت مولانا رومیؒ بتاتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے قلوب کی زمین میں موجود مکّہ کی فتح بھی یقیناً دنیاوی غرض سے نہیں بلکہ قربِ الٰہی کے حصول اور اخروی نجات کے حوالے سے ہونی چاہیے، ورنہ ساری عبادت اور ریاضت ضائع ہونے کا امکان ہے۔

5.10 علم کا درخت – علم تکمیل نفس کا ایک اہم جزو ہے

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ ایک عقلمند نے سمجھانے کی غرض سے یہ کہانی بیان کی تھی کہ ہندوستان میں ایک ایسا درخت ہے کہ جو بھی اس کا پھل کھالے نہ تو وہ بوڑھا ہوتا ہے اور نہ اسے موت آتی ہے۔ ایک بادشاہ نے یہ بات کسی نیک آدمی سے سن لی اور وہ اس درخت اور اس کے میوے کا مشتاق ہو گیا اس بادشاہ نے اپنے دیوان میں سے ایک معتبر قاصد کو اس درخت کو تلاش کرنے اور اس کا پھل لانے کے لئے فارس سے ہندوستان بھیجا۔

بادشاہ کا یہ عقلمند قاصد سالوں اس درخت کی تلاش میں ہندوستان کے چاروں اطراف گھومتا رہا۔ وہ اس مقصد کے لئے شہر شہر گھوما، نہ کوئی جزیرہ چھوڑا، نہ پہاڑ اور نہ جنگل۔ وہ ہر کسی سے اس درخت کے بارے میں پوچھتا۔ لوگ اس کے سوال پر اس کا مذاق اُڑاتے اور اسے پاگل سمجھتے۔ کئی لوگ اس سے ہمدردی بھی کرتے اور اسے کہتے کہ تو جب صاف دل اور دماغ کے ساتھ سچی طلب لے کر چل رہا ہے تو ایک دن ضرور اس درخت کو تلاش کر لے گا۔ کوئی اسے کہتا ہے کہ فلاں شہر میں ایک بڑا خاص درخت موجود ہے جو بڑا اونچا اور گھنا ہے۔ وہ جس کسی سے کچھ سنتا اسی طرف روانہ ہو جاتا، وہ سالوں سفر کرتا رہا اور بادشاہ بھی اس کو پیچھے سے مال و اسباب بھیجتا رہا۔

بہت عرصے تک مشقتیں برداشت کرنے کے بعد جب اسے وہ درخت نہ ملا تو وہ اس کی امید کا سلسلہ ٹوٹ گیا تو اس نے بادشاہ کی طرف واپس جانے کا ارادہ کر لیا۔ وہ بادشاہ کی طرف واپس جا رہا تھا اور رستے میں آنسو بہاتا جاتا تھا۔ رستے میں اس نے ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ اسی جگہ ایک شیخ قطب شریف النفس عالم بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس نے سوچا کیوں نہ میں ان شیخ کے پاس حاضر ہوں اور ان سے دعائیں لوں تا کہ ان کی دعا میرے مقصد میں میری ساتھی بنے۔

وہ روتا ہوا شیخ کے پاس گیا، اس کی آنکھوں سے لگاتار آنسو جاری تھے۔ اس نے شیخ کو اپنی ساری کہانی سنائی کہ کس طرح بادشاہ نے اسے اس درخت کا میوہ لانے کے لئے ہندوستان بھیجا تھا۔ جس کے کھانے سے ہمیشہ کی زندگی حاصل ہو جاتی ہے اور کس طرح وہ سالوں سے اس درخت کی تلاش میں سر گرداں رہا ہے۔ اس نے بہت سے لوگوں کا مذاق برداشت کیا ہے اور ہر طرح کی مشقّتوں سے گزرا ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ اب اس تلاش سے مایوس ہو گیا ہے۔

جب شیخ نے اس کی باتیں سنیں تو فرمایا! اے بھولے انسان تو صورت کے درخت کی تلاش کرتا رہا اور معنویت کو بھول گیا۔ وہ درخت جس کی تجھے تلاش ہے جس کا پھل کھانے سے آدمی نہیں مرتا وہ علم کا درخت ہے، حقیقی علم اپنے حاصل کرنے والے کو دائمی زندگی عطا فرماتا ہے۔ جب ایسے شخص کی غذا علم بن جاتا ہے جو کہ نور ہے تو پھر اس شخص کا حشر نورانیوں کا سا ہو جاتا ہے اور وہ جسمانی موت کے بعد بھی زندہ رہتا ہے۔ اے شخص تو اس درخت کے ظاہری نام کے ساتھ کیوں چپک گیا ہے۔ ایسے میں تَو تُو ناکام اور بدنصیب ہی رہے گا۔ تو ظاہری صورت کو کیوں تلاش کرتا ہے، ظاہری صورت تو چھلکے اور پوست کی طرح ہے۔ حقیقت اور معنویت اس پوست کے اندر گودے کی طرح ہے۔ تو نام سے آگے بڑھ اور صفات کو دیکھ تاکہ وہ صفات پھر ذات تک یعنی ذات الٰہی تک تیری رہنمائی کریں۔ جب تو ذات میں گم ہو جائے گا اور اپنی خودی سے نجات پائے گا تو تیری آنکھ اچھے برے کو یکساں دیکھے گی۔ مخلوق کے اندر سارے جھگڑے نام کی وجہ سے ہیں جب وہ معنویت کی طرف بڑھتے ہیں تو سارے جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں اور انہیں راحت مل جاتی ہے۔

خلاصہ

اِس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ علم کی افادیت بتاتے ہیں کہ علم گویا آبِ حیات ہے۔ جسطرح جِسم مٹی سے ہے اور مٹی سے پیدا ہونے والی خوراک دال، چاول، سبزی اور فروٹ سے نشونما پاتا ہے ایسے ہی روح جسے اللہ تعالیٰ نے آدمؑ میں پھونکا تھا۔ اِس کا تعلق علوی جہت سے ہے۔ اور اِس کی خوراک بھی آسمانی علم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات علیم ہے اور جو کوئی بھی اِس کے اذن سے حصول علم کرتا ہے، وہ علم کے درخت سے فیض یاب ہوتا ہے اور یہ فیض یابی اس کے نفس کی تکمیل کر کے اسے ابدی حیات سے ہمکنار کرتی ہے۔

5.11 کھجور کا تنا – ظاہری حواس سے آگے باطنی حواس

ایک کھجور کا تنا جسے اصطلاحاً ستون حنانہ کہتے ہیں جب آپؐ نے مسجد نبوی میں منبر پر بیٹھ کر خطبہ دینا شروع کیا تو یہ رونا شروع ہو گیا کیونکہ اس سے پہلے آپؐ اس تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے۔

وہ کھجور کا تنا اتنا رویا کہ آپؐ کے علاوہ تمام صحابہؓ اکرام نے بھی اس کے رونے کی آواز سنی۔ صحابہؓ حیرت میں پڑ گئے کہ یہ ستون کیوں روتا ہے۔ اس نے کہا میری جان آپؐ کے فراق میں جل رہی ہے، میں آپؐ کے بغیر کیوں نہ روؤں۔ پہلے آپؐ مجھ سے ٹیک لگایا کرتے تھے اور اب آپؐ منبر پر تشریف فرما ہیں۔

آپؐ نے فرمایا اے بھلے درخت، اے وہ کہ تیرے باطن کو خوش بختی حاصل ہے۔ اگر تو چاہتا ہے تو تمہیں دوبارہ کھجور کا ہرا بھرا درخت بنا دیتے ہیں کہ مشرق و مغرب کے لوگ تیرا میوہ کھائیں گے یا پھر تجھے سرو بنا دیتے ہیں تاکہ تو اس جہاں میں ہمیشہ ترو تازہ رہے لیکن اس تنے نے کہا میں یہ سب کچھ نہیں بننا چاہتا بلکہ وہ بننا چاہتا ہوں جس کی بقا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہو۔ مولاناؒ فرماتے ہیں، دیکھو کہ وہ کھجور کی لکڑی کا تنا بھی دائمی بقا چاہتا ہے۔ ہمیں بھی اس دائمی زندگی کے حصول میں اس لکڑی کے تنے سے کم نہیں ہونا چاہیے۔ اور عارضی آسائیشوں کے مقابلے میں آخرت کی لازوال زندگی کو ترجیح دینی چاہیے۔

اس تنے کو زمین میں دفن کر دیا گیا اور وہ قیامت میں انسانوں کی طرح اٹھایا جائے گا۔ یہ سمجھو کہ جس کو خدا نے پکارا وہ دنیا کے کاموں سے بیزار ہو گیا۔ جس کا اللہ تعالیٰ سے کاروبار ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کامیاب ہو جاتا ہے پھر دنیا کے کام کا نہیں رہتا۔ حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ وہ شخص جو اسرار و رموز کا حامل نہ ہو اس کو ایک لکڑی کے رونے پر کب یقین آ سکتا ہے۔ لاکھوں مقلّدوں اور لکیر کے فقیروں کو ان کا آدھا

وہم پورے وہم میں مبتلا کر دیتا ہے۔ عقلی دلائل والوں کا پاؤں لکڑی کا ہوتا ہے اور لکڑی کا پاؤں ایک کمزور پاؤں ہے۔ اگر آنکھوں والے موجود نہ ہوں تو تمام اندھے مر جائیں کہ اندھوں کو نہ بونا آتا ہے، نہ کاٹنا، نہ تعمیر کرنا اور نہ ہی تجارت کرنا۔ آنکھوں والوں کی پیروی کرنی چاہیے نہ کہ اندھوں کی۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں غیبی حواس کا پتہ دے رہے ہیں کہ ان پانچ ظاہری حواس کے علاوہ دوسرے باطنی حواس بھی ہیں جو کھجور کے تنے کا رونا بھی سن لیتے ہیں۔ ان باطنی حواس کا حصول تزکیہ قلب کے بغیر ممکن نہیں۔

5.12 مرج البحرین – حقائق کو ایک دوسرے سے ممتاز کرنا

جنّتی اور جہنمی اس دنیا میں اکھٹے نظر آتے ہیں لیکن ان کے درمیان پردہ ہے اور وہ ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ پہاڑ کے اندر سونا اور مٹی آپس میں ملے ہوتے ہیں لیکن اصل میں ان کے درمیان کئی جنگل اور سرائے ہیں۔

ہار کے اندر ہیرے اور چھوٹے موتی محض ایک مہمان کی طرح ملے جلے ہیں ورنہ ان کے آپس میں کوئی موافقت نہیں۔ اسی طرح نیک اور بد لوگ اس دنیا میں اکٹھے نظر آتے ہیں لیکن اگر تم آنکھ کھول کر دیکھو تم ان کے درمیان فرق سے بخوبی آگاہ ہو جاؤ گے۔

لوگوں کے جنگ و جدل میں ان کی روحیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ محبت کڑووں کو مٹھاس کی طرف کھینچتی ہے اور عداوت میٹھے کو تلخ بنا دیتی ہے۔ کڑوا اور میٹھا عام نگاہ نہیں دیکھ سکتی۔ اس کو وہ آنکھ دیکھ سکتی ہے جو انجام کو دیکھنے والی ہو۔ ابتداء کو دیکھنے والی آنکھ دھوکا کھاتی ہے۔

بہت سی چیزیں شکر جیسی ہوتی ہیں۔ بعض شکروں میں زہر بھی ملا ہوتا ہے۔ جو زیادہ سمجھدار ہوتا ہے وہ دور سے ہی اس کو پہچان لیتا ہے۔ دوسرا اسے معلوم کرتا ہے۔ تیسرا اسے ہاتھ لگا کر زہر کا خوشبو سے پتا لگا لیتا ہے۔ چوتھا اسے سونگھ کر پہچانتا ہے۔ پانچواں اسے ہونٹوں سے لگا کر پہنچانتا ہے کہ کھانے سے پہلے اس کے ہونٹ اسے رد کر دیتے ہیں۔ چھٹے کو حلق میں پہنچ کر معلوم ہوتا ہے اور ساتویں کو بدن میں پہنچ کر اس زہریلی شکر کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ آٹھویں کو تب پتا لگتا ہے جب وہ زہر اس کے جگر کو زخمی کر دیتا ہے۔ نویں کو کئی دنوں اور مہینوں کے بعد جبکہ دسویں کو قبر میں جانے کے بعد اس زہریلی شکر کا پتا لگتا ہے۔

کئی سال چاہییں لال سورج سے رنگ، چمک اور روشنی حاصل کرنے کے لئے۔ کئی سال درکار ہوتے ہیں کہ پودا پھل لائے۔ ایک لمبے عرصے کی جدوجہد کے بعد ہی آدمی اس قابل ہوتا کہ وہ چیزوں کی حقیقت جاننے والے بنے۔

رس کچے انگور میں کھٹا ہوتا ہے لیکن جب انگور پک جاتا ہے تو رس میٹھا ہو جاتا ہے۔ یوں وہ شراب بنانے والے مٹکے میں کڑوا اور حرام ہو جاتا ہے لیکن پھر مزید وقت گذرنے کے ساتھ وہ سرکہ بن کر بہترین سالن کا مقام حاصل کرتا ہے۔ ایسے ہی حقائق اور معاملات کی مختلف حالتوں میں فرق ہوتا ہے اور صرف کامل انسان ہی اس فرق کو سمجھتا ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہماری توجہ اس امر کی طرف دلاتے ہیں کہ اس دنیا میں بہت سے حقائق باہم خلط ملط ہوتے ہیں۔ انسان کو اپنے اندر استعداد پیدا کرنی چاہیے کہ وہ ان خلط ملط اور درجہ بہ درجہ حقائق کو اچھی طرح سمجھ سکے اور یوں اپنی معرفت میں اضافہ کرے۔

5.13 حال اور مستی – ہر سخن مقام دارد

ایک حکیم کے قیمتی الفاظ سن کہ تو نے جس جگہ شراب پی ہے وہیں سر رکھ دے۔ جب کوئی مست کسی شراب خانے سے بھٹک جائے تو پھر وہ بچوں کے لئے کھیل اور کھلونا بن جاتا ہے۔ وہ اِدھر اُدھر راستے میں گرتا ہے اور لوگ اس پر ہنستے ہیں۔ وہ آگے ہوتا ہے اور اس کی شراب اور مستی کے ذوق سے بے خبر بچے اس کے پیچھے۔ یہ مخلوق بچے ہی ہیں صرف خدا کے مست لوگ ہی بالغ ہیں۔ دنیا کی زندگی کھیل تماشا ہے اور مخلوق بچے ہیں، اس لئے خدا کی مستی میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو اپنا حال اور مستی چھپانی چاہیے، اسے مخلوق کے سامنے ظاہر نہیں کرنا چاہیے ورنہ وہ مخلوق کے ہاتھوں میں کھیل تماشہ بن جائیں گے۔

عام لوگ محض گمان لے کر چل رہے ہوتے ہیں انہیں حقیقت کا علم نہیں ہوتا ہے۔ کوئی نام بغیر مسّمی کے نہیں ہوتا، کیا کبھی کسی نے گاف اور لام کے حروف سے پھول بھی حاصل کیے ہیں۔ جب تو نام پڑھ لے تو پھر تجھے چاہیے کہ تو نام والے کو بھی ڈھونڈے۔ چاند اوپر آسمان میں ہے۔ نہر کے پانی میں نہیں۔ نام سے آگے بڑھ کر نام والے تک پہنچ۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے دل کو پاک اور صاف کیا جائے، ریاضت کر کے اپنے لوہے سے زنگ اتار کر اسے آئینہ بنایا جائے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ تصّوف کی راہ پر چلنے والوں کو خبر دار کرتے ہیں کہ اسرار و معرفت سے خالی دنیادار لوگ محض بچوں کی طرح ہوتے ہیں۔ اگر ان پر اپنا حال اور مستی ظاہر کی جائے تو وہ ایسے پیچھے لگ جاتے ہیں جیسے بچے دیوانوں کے پیچھے ہوتے ہیں۔

5.14 باز اور بوڑھی – شاہ سے بھاگنا گھاٹے میں پڑنا ہے

ایک بادشاہ کا باز اڑ کر ایک بوڑھی کی جھونپڑی میں آ اترا۔ وہ بوڑھی آٹا چھان رہی تھی تاکہ اپنے بچوں کے لئے حریرہ بنائے۔ اس نے جب اس خوبصورت باز کو دیکھا تو پہلے اس کے پاؤں باندھے پھر اس کے بڑھے ہوئے پَر کاٹ دیے۔ پھر اس کے ناخن کاٹے اور اس کے آگے جانوروں والا چارہ ڈال دیا۔ بڑھیا دل ہی دل میں بولی کہ نا اہل لوگوں نے اس کا کیا حال کر دیا ہے۔ اس کے پر اور ناخن بھی درست نہیں کیے ہیں۔

اے دوست جاہل کی محبّت کو ایسا ہی سمجھ۔ جاہل ہمیشہ رستے میں ٹیڑھا ہی چلتا ہے۔ جاہل کی ہمدردی بھی اس کی نادانی کی وجہ سے تمہیں زخمی کر دے گی۔

بادشاہ سارا دن باز کو تلاش کرتے کرتے بالا آخر بڑھیا کی جھونپڑی میں پہنچا۔ اس نے اپنے باز کو دھویں اور گرد و غبار میں اٹا ہوا دیکھا۔ بادشاہ باز کی یہ حالت دیکھ کر زار و قطار رو پڑا۔

بادشاہ باز سے بولا دراصل تیری یہی سزا ہے۔ کیونکہ تو مجھ سے بھاگا اور میری وفاداری پر قائم نہ رہا۔ جو بادشاہ سے بھاگ کر بوڑھی عورت کی جھونپڑی میں جائے اس کی یہی سزا ہے۔ جنگل میں جھونپڑی والی بوڑھی عورت سے مراد کمینی دنیا ہے۔ جو اس دنیا کی طرف جھکا وہ پاگل اور خوار ہے۔

دنیا جہالت ہے اور دنیادار جہالت پرست ہیں۔ عقل مند وہ شخص ہے جو اس جہالت سے نجات پا جائے۔ جو جہالت پر مُصر ہو گا اور جہلاء کی صحبت میں آئے گا اس کا حشر اس باز کی طرح ہو گا جس کے پیر، پَر اور ناخن اس بڑھیا نے کاٹ دیے تھے۔

باز بادشاہ کے ہاتھ پر اپنے پنجے ملتا تھا اور بغیر زبان کے یہ کہتا تھا کہ مجھ سے خطا ہو گئی۔ باز نے کہا اے بادشاہ میں شرمندہ ہوں، میں توبہ کرتا ہوں اور از سر نو مسلمان ہوتا ہوں۔ اب میں دوبار بادشاہ کا در چھوڑ کر کمینی دنیا کی طرف نہیں جاؤں گا۔ اے بادشاہ اگر تو مجھے

اپنی پناہ میں لے لے تو میرے ناخن اور پَر دوبارہ اُگ آئیں گے اور تیری پناہ میں آ کر میں پھر سے شکار کرنے والا باز بن جاؤں گا۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ یہ سبق دے رہے ہیں کہ بسا اوقات انسان اللہ تعالیٰ سے دور ہو کر دنیا کی کمینگی اور جہالت میں پھنستا ہے۔ دنیا کے مقاصد کی پستی ایسے انسان کو بھی بالاخر پست اور ذلیل کر دیتی ہے۔ تاہم بادشاہ کا در ہمیشہ کے لئے کُھلا ہے۔ وہ توبہ کو قبول کرتا ہے اور ہمیں پھر سے اپنی پناہ میں لے کر کامیاب و کامران کرتا ہے۔

5.15 باغبان اور تین چور – اچھی روحانی شخصیت علم، شرافت اور تزکیے سے بنتی ہے

ایک باغبان نے اپنے باغ میں تین شخص دیکھے جو چوری سے اس کے باغ میں گھس آئے تھے۔ ان میں ایک مولوی، ایک سیّد اور ایک صوفی تھا۔ باغبان نے سوچا کہ ان تینوں سے اکھٹا الجھنا خطرے کا باعث ہو سکتا ہے۔ ان کو جدا جدا کر کے ہی ان پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

باغبان نے صوفی سے کہا کہ جا گھر سے اپنے ساتھیوں کے لئے کمبل لے آ۔ جب صوفی چلا گیا تو باغبان نے مولوی اور سیّد سے کہا کہ آپ تو قابل قدر اور عظیم لوگ ہیں یہ صوفی پیٹو کیسے تمہارے ساتھ لگا ہوا ہے۔ تم دونوں جب تک چاہو میرے باغ میں رہو لیکن اس صوفی سے جان چھڑاؤ۔ جب صوفی کمبل لے کر واپس آیا تو ان دونوں نے صوفی کو واپس کر دیا اور اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ جب صوفی اکیلا واپس ہوا تو رستے میں باغبان نے اس کی خوب پٹائی کی اور برا بھلا کہا کہ تو کون ہوتا ہے میرے باغ میں یوں چوری داخل ہونے والا۔ صوفی نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا جو مار مجھے پڑی ہے عنقریب تم لوگوں کو بھی پڑے گی۔ جو کچھ میں نے چکھا ہے تم لوگوں نے بھی ضرور چکھنا ہے۔

جب صوفی سے نبٹ لیا تو پھر باغبان مولوی اور سیّد کی طرف لوٹا، اس نے سیّد سے کہا میرے گھر کی طرف جا اور نوکر سے کہہ چپاتیاں اور سالن دے دے۔ جب سیّد روانہ ہو گیا تو اس نے مولوی سے کہا کہ تُو تَو پڑھا لکھا فقیر ہے۔ یہ سیّد تو نے کہاں سے اپنے ساتھ کر لیا، ہو سکتا ہے یہ اصلی سیّد ہو ہی ناں، اس سے جان چھڑاؤ۔ جب سیّد واپس آیا تو مولوی اس پر جھپٹ پڑا۔ یوں سیّد بھی اس باغ سے روانہ ہو گیا۔ یوں مولوی اکیلا باقی تھا۔ باغبان نے مولوی کو اکیلا پا کر ڈنڈوں سے اس کی پٹائی کی اور باغ سے باہر نکال دیا۔

مولوی ڈنڈے کھارہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ جواب میں یہ آواز لگا رہا تھا کہ یقیناً میں اس مار پیٹ کا حقدار ہوں۔ جو دوستوں سے کٹ جائے اس کی یہی سزا ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ بتاتے ہیں کہ مکمل انسانی شخصیت علم یعنی مولوی، شرافت یعنی سیّد اور تزکیہ یعنی صوفی سے بنتی ہے اگر یہ تینوں صفات ہمہ وقت موجود ہوں تو انسان شیطان کے حملے سے محفوظ رہتا ہے۔ ان صفات کے منتشر ہونے سے انسان شیطان کے حملوں سے ہلاکت کا شکار ہو جاتا ہے۔

5.16 قاضی کی شکایت – غرض کو چھوڑنا معرفت کو پیدا کرتا ہے

ایک شہر کے لوگوں نے ایک شخص کو اپنا قاضی مقرر کیا تو اس نے رونا شروع کر دیا۔ اس کے نائب نے اسے کہا اے قاضی تو روتا کیوں ہے یہ تو تیرے لئے خوشی اور اعزاز کی بات ہے۔ اس نے کہا میں اس لئے روتا ہوں کہ جو دو آدمی میرے سامنے مقدمّہ لے کر آئیں گے وہ تو اس سے خوب باخبر ہوں گے اور میں بالکل ناواقف۔ ایسے میں ان کا فیصلہ کیسے کروں گا۔ اس پر نائب نے کہا اگرچہ وہ دونوں اپنے اپنے مقدّمے سے پوری طرح واقف ہوں گے لیکن وہ دونوں غرضی ہوں گے اور اس غرض نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہو گا اور چونکہ تو اس معاملے میں بے غرض ہو گا۔ تیرا علم شمع کی مانند ہو گا اور تو ٹھیک فیصلہ کرے گا۔ غرض سے خالی ہونا آنکھوں کو روشن تر کرتا ہے۔ بے غرضی ناواقفیت کو بھی علم بنا دیتی ہے۔ جبکہ غرض علم کو ٹیڑھا اور ناانصاف بنا دیتی ہے۔ جب عادت کو ہوس سے الگ کر لیا جائے اور انسان شہوت کے لقمے نہ کھائے تو دل روشن ہو جاتا ہے اور اس میں سچ کو جھوٹ سے الگ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ یہ بتاتے ہیں کہ غرض، لالچ اور شہوات سے الگ ہونا انسان کے دل اور آنکھوں میں معرفت کا نور پیدا کرتا ہے اور انسان کو سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنے والا اور معرفت کا حامل شخص بنا دیتا ہے۔

5.17 نماز اور آہ – آہ وزاری عبادت سے زیادہ پُر اثر ہے

ایک صحابیؓ مسجد کی طرف جا رہے تھے۔ ابھی مسجد کے قریب تھے دیکھا کہ لوگ مسجد سے باہر آ رہے ہیں۔ لوگوں سے پوچھا کہ کیا نماز ہو گئی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ہاں نبی پاکؐ نے نماز پڑھا دی ہے۔

یہ سن کر اس صحابیؓ نے زور سے آہ لی۔ ان کی آہ اتنی شدید تھی کہ گویا دل سے خون کو کھینچ لاتی تھی۔ وہاں پر موجود ایک دوسرے صحابیؓ نے کہا آپ یہ آہ مجھے دے دیجیے اور میری جماعت والی نماز لے لیں۔ ان دونوں نے تبادلہ کر لیا۔

جن صحابیؓ نے آہ خریدی تھی انہیں غیب سے آواز آئی تو نے آب حیات خرید لیا۔ تو نے اپنے لئے شفا خرید لی۔ تو باز تھا اب شہباز بن گیا۔ تیرے اس عمل سے سب کی نماز قبول ہو گئی۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ یہ سبق دیتے ہیں کہ اللہ کے حضور عاجزی اور آہ و زاری انسان کو وہ مرتبہ عطا کرتی ہے جو عبادات سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔

5.18 غُوز ترک – پچھلی قوموں کے واقعات سے عبرت لینی چاہیئے

ایک گاؤں پہ غوز ترک ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا تا کہ لوٹ مار کریں انہوں نے اس گاؤں کے دو بڑوں کو پکڑ لیا۔

انہوں نے ایک کے ہاتھ پیر باندھے تا کہ اسے ذبح کریں اس نے ڈاکوؤں سے کہا مجھے قتل کیوں کرتے ہو میں تو غریب مسکین ہوں۔ انہوں نے کہا تجھے اس لئے ذبح کرتے ہیں تا کہ تیرا دوسرا ساتھی ڈرے اور اپنے مال کا پتہ دے۔ اس نے کہا وہ بھی میری طرح ہے اس کے پاس بھی مال نہیں۔ ایسے میں یہ دونوں ایک جیسے ہیں اور دونوں ہی مشکوک ہیں آپ میرے بجائے اسے ذبح کریں تا کہ میں ڈروں اور مال کا پتہ بتا دوں۔

ہم آخری زمانے میں پیدا ہوئے ہیں اور آخری اُمّت ہیں۔ ہم سے پہلے قوموں پر عذاب آ چکے ہے۔ عاد، ثمود اور قوم نوح ہلاک کیے جا چکے ہیں۔ ہمیں اس سے سبق لینا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں پچھلی قوموں کے واقعات سے عبرت لینے کا سبق دیتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم پہلوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں اور ان قوموں کا انجام ہمارے سامنے ہے۔

5.19 انگور پہ لڑائی - سیلمانِ معنوی تک پہنچنا ضروری ہے

ایک شخص نے چار آدمیوں کے ایک گروہ کو ایک درہم دیا۔ یہ لوگ مختلف شہروں سے اکھٹے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک ایرانی تھا، ایک ترکی، ایک رومی اور ایک عربی تھا۔ یہ چاروں ایک درہم ملنے پر آپس میں لڑ پڑے ان میں اتفاق نہیں ہو رہا تھا کہ وہ اس درہم سے کیا خریدیں۔

ایرانی نے سوچا کہ اس کا کیا کرے، پھر اس نے باقیوں سے کہا کہ میں اس کا انگور خریدنا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر عرب نے کہا نہیں نہیں بالکل نہیں میں اس درہم سے عنب خریدنا چاہتا ہوں۔ عربی کی بات سن کر ترکی نے کہا مجھے عنب کھانے کی کوئی خواہش نہیں میں تو اس درہم سے اوزم خریدنا چاہتا ہوں۔ اس پر رومی نے کہا یہ سب چھوڑو ہم اس درہم سے ہم استافیل خریدتے ہیں۔

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں پس خاموش ہو جاؤ کیونکہ وہ زبان جو تم جانتے ہو جھگڑا پیدا کرتی ہے۔ خاموش رہو تاکہ تمہیں سمجھ کے معاملے میں تائید ایزدی حاصل ہو۔ اگرچہ تمہاری بات عام طور پر باہمی موافقت پیدا کرتی ہے۔ لیکن نتیجۃً جھگڑے اور تفرقے کا باعث بنتی ہے۔ یعنی تمہارا فہم عارضی موافقت پیدا کرتا ہے اور پھر واپس جھگڑے کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ جیسے سرکہ گرم کرنے کے باوجود بھی ٹھنڈی تاثیر رکھتا ہے اور انگور کا رس برف بننے کے بعد بھی گرم تاثیر رکھتا ہے، اسی طرح ہمارے مزاج عارضی موافقت سے فوراً اپنی اصل کی طرف پلٹ جاتے ہیں اور خوامخواہ کی الجھن، تفریق اور جھگڑا پیدا کرتے ہیں۔ کسی ماہر استاد اور شیخ کی بات اتفاق پیدا کرتی ہے جبکہ اہل حسد اور کوتاہ اندیش کی بات تفرقہ پیدا کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ ہم نے ہر قوم میں تنبیہ کرنے والا بھیجا ہے۔ اس لئے کوئی قوم صاحب عرفان اور اللہ کے خلیفہ سے خالی نہیں ہے۔ ایسا صاحب عرفان

لوگوں کی جانوں کو ایسا پاکیزہ قلب بنا دیتا ہے جس میں کھوٹ اور کینہ باقی نہیں رہتا۔ وہ ماؤوں کی طرح شفیق بن جاتے ہیں۔ وہ لوگ جو آپس میں دشمن تھے، رسول حق کی وجہ سے یک جان ہو گئے تھے۔ توحید آدمی کو شرک اور ماو شما سے پاک کر دیتی ہے۔ جب حضرت سلیمانؑ اللہ کے دربار کی طرف متوجّہ ہوئے تو انہوں نے تمام پرندوں کی زبان سیکھ لی۔ ان کے دور میں تمام جانور اور پرندے ایک دوسرے کے خوف سے مامون ہو گئے۔ کبوتر باز کے پنجے سے محفوظ ہو گیا اور بکری بھیڑیے سے محفوظ ہو گئی۔ یوں سلیمان علیہ السلام ان کے درمیان ثالث بن گئے اور جانوروں اور پرندوں میں اتحاد ہو گیا۔ یعنی سلیمان علیہ السلام کے زیادہ زبانیں جاننے سے امور کی حکمت تک پہنچ گئے اور اس امور کی حکمت نے سارے تضاد ختم کر دیے اور اتحاد پیدا کر دیا۔

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ اے انسان تو کیوں چیونٹی کی طرح دانے کے پیچھے دوڑ رہا ہے تجھے اپنی استعداد کے لحاظ سے سلیمانؑ کی جستجو کرنی چاہیے نہ کہ چیونٹی کی۔ دانوں کی تلاش کرنے والے کے لئے دانہ ایک جال بن جاتا ہے جبکہ سلیمانؑ تلاش کرنے والے کو سلیمانؑ بھی ملتا ہے اور دانہ بھی۔ ہمارے زمانے میں بھی سلیمانؑ موجود ہے جو صلح کرا سکتا ہے تاکہ کوئی جبر و ظلم باقی نہ رہے۔ وہ چار آدمی جو اصل میں سب انگور کی ہی طلب رکھتے تھے لیکن اپنی کم سمجھی کی بنیاد پر ایک دوسرے سے الجھ رہے تھے۔ کوئی سلیمان ہو جو تمام زبانوں پر عبور رکھتا ہو، ان کو اس جھگڑے سے بچا سکتا ہے۔

خلاصہ

اِس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ چیزوں کے ظاہری علم کا ہونا جو محض الفاظ کی بنیاد پر ہو اور ان کے اصل حقائق سے لاعلم ہونا، تفرقہ بازی اور جھگڑے کا باعِث بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دُنیا کبھی بھی صاحبِ باطِن لوگوں سے جو اشیاء اور امور کو ان

کی اصل سے جانتے ہیں خالی نہیں ہوتی۔ ایسے وقت میں یقیناً اللہ کے ایسے خُلفاء کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ عرب کے بے شُمار جھگڑے ایک رسولؐ کی تعلیمات سے دُور ہو گئے تھے۔ نورِ وحدت ماوشما کے اختلافات کو یکسر ختم کر دیتا ہے۔

5.20 صوفیوں کا طعنہ – امور میں اعتدال ضروری ہے

چند صوفیوں نے ایک خانقاہ کے شیخ کے پاس اپنے ایک صوفی کی شکایت لگائی۔ اے شیخ اس معاملے میں ہمارے ساتھ انصاف کریں۔ ہمارا یہ ساتھی خود کو صوفی کہتا ہے۔ یہ ہر وقت گھنٹی کی طرح بولتا رہتا ہے، بیس آدمیوں کے برابر کھاتا ہے، جب سوتا ہے تو گویا اصحاب کہف کی طرح لمبا ہی سو جاتا ہے۔

شیخ نے اس صوفی کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ ہر حالت میں اوسط اختیار کرو۔ حدیث شریف میں ہے کہ تمام باتوں میں بہتر بات درمیانی رستہ اختیار کرنا ہے۔ اگر انسان کے جسم کے اندر کوئی ایک خلط بڑھ جائے تو وہ مرض پیدا کرتی ہے۔

معاملات کا یہی اعتدال اس وقت بھی درکار ہوتا ہے جب تمہارا معاملہ کسی اللہ والے سے پڑے۔ اللہ کے خاص بندوں کے سامنے اعتدال سے بیٹھنا چاہیے۔ زیادہ سوال و جواب اور تجسّس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

حضرت موسیٰؑ اگرچہ اپنے تئیں مناسب سوال کر رہے تھے لیکن ان کے سوالات خضرؑ کے حق میں زیادہ بڑھے ہوئے تھے۔ یہ بڑھوتری جدائی کا باعث بن گئی۔ انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ آپ زیادہ سوال کرتے ہیں اسلئے اب جدائی ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں اپنے تمام امور میں اعتدال اور اوسط کا حکم دیتے ہیں۔ یہی اعتدال آداب کے ملحوظ خاطر رکھنے میں بھی ہونا چاہیے۔ حد سے زیادہ سوال اور تجسس اعتدال سے ہٹا دیتا ہے اور دوست سے جدائی کا باعث بنتا ہے۔

6 اولیاء اللہ کی عظمت

حوض با دریا اگر پہلو زند
خویش را از بیخ ہستی ہر کند

اگر کوئی پانی کا حوض دریا سے مقابلہ کرے
تو اس کی ہستی جڑ سے اکھڑ جائے گی

6.1 شمس تبریزؒ - مرشد سورج کی طرح ہے

روح کا سورج ہمیشہ طلوع کی حالت میں رہتا ہے اس کے لئے کوئی گذشتہ کل نہیں ہے۔ اگرچہ خارج میں حقیقی سورج ایک ہی ہے لیکن اس جیسا بھی تصوّر کیا جا سکتا ہے۔ تاہم وہ سورج جس سے تمام کائنات مست ہے اس سورج کی کسی ذہن میں اور خارج میں کوئی مثال نہیں دی جا سکتی اور نہ ہی تصوّر کیا جا سکتا ہے۔ شمس تبریزؒ ایک مکمل نور ہے، ایک سورج ہے اور حق کے نوروں میں سے ایک نور ہے۔ یعنی حق تعالیٰ تو وحدہ لا شریک ہے لیکن بڑی پاکیزہ ارواح سورج کی طرح ہیں جو حق تعالیٰ کے اذن سے طلب گاروں کے لئے روشنی کا اہتمام کرتی ہیں اور شمس تبریزؒ ایک ایسا ہی سورج ہیں۔

خلاصہ

اس مضمون میں حضرت مولانا رومیؒ اپنے مرشد شمس تبریزؒ کی تعریف کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ وہ شمس یعنی سورج ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اذن سے طلب گاروں کے لئے روشنی کا اہتمام کرتے ہیں۔

6.2 سارنگی نواز بوڑھا – غیب کے سریلے نغمے

حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک سارنگی بجانے والا بڑی شان و شوکت میں تھا۔ اس کی سارنگی کی آواز سے بلبلیں چہچہا اٹھتیں اور ان کی مستی میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ وہ گویا حضرت اسرفیلؑ جیسا تھا کہ اس کی آواز اور فن مُردوں کے بدن میں جان ڈال دیتی تھی۔ حضرت اسرافیلؑ ایک روز ایسا نالہ کریں گے کہ سو سو سال کے پرانے جسموں کو جان عطا کر دیں گے۔

ایسے ہی اللہ کے اولیاء کے اندر بھی نغمے ہیں جو طلبگاروں کو انمول زندگی عطا کرتے ہیں۔ ہمارے حِسّی کان ان نغموں کو سننے کی استطاعت نہیں رکھتے کیونکہ ہم نے حد درجہ مادیت میں کھو کر ان کانوں کو آلودہ کر دیا ہے۔ اے نو آموز تو سورہ رحمٰن کو پڑھ اور پھر "تسطیعو" اور "تنفزو" کو سمجھ۔ بالکلیہ کون و فساد میں ڈوب کر تمھارے باقی رہنے والی روح نہیں اُگ سکتی۔ عدم کے لا سے نکل کر اس خیال اور وہم کو نکال پھینکنا ضروری ہے۔ جسم کی قبر میں مردہ جانیں اولیاء کی آواز سے تڑپ اٹھتی ہیں۔

اے لوگوں تمھیں فنا نے تمہاری کھالوں کے اندر نابود کر دیا ہے۔ تم دوست کی آواز پر عدم سے واپس آ جاؤ۔ وہ مطلق آواز جو تمہیں زندہ کرتی ہے وہ اللہ کی آواز ہے اگرچہ وہ عبداللہ کے حلق سے نکلتی ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں بتاتے ہیں کہ غیب کے اندر بھی بڑے دل سوز نغمے ہیں جن کو سن کر انسان کے دل کو طراوت حاصل ہوتی ہے لیکن ہمارے دل کے کان اس مادیت سے آلودہ ہونے کے باعث ان غیب کے نغموں کو سننے کی استطاعت نہیں رکھتے۔

6.3 بلعم باعور – ولیوں سے مقابلہ نرا خسارہ ہے

بلعم باعور حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں ایک مشہور عبادت گذار تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے جب کنعان شہر پر چڑھائی کی تو اہل شہر بلعم باعور کے پاس گئے اور اسے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کی پسپائی کی دعا کرے۔ لوگوں کے اسرار پر وہ مان گیا اور اس نے موسیٰ علیہ السلام کی ناکامی کی دعا کی۔ وہ اس دعا سے موسیٰ علیہ السلام کا تو کچھ نہ بگاڑ سکا لیکن ایسا کرنے سے وہ خود عذاب الٰہی میں گرفتا ہو گیا۔

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کے برگزیدہ بندوں کا مرتبہ اس بات کا متقاضی ہوتا ہے کہ ان کا مقابلہ نہ کیا جائے۔ اللہ کے بندو سے مقابلہ کرنے والے اللہ کے غضب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جیسے وہ عبادت گذار بلعم باعور موسیٰؑ کے مقابلے میں آنے سے تباہ و برباد ہو گیا۔

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح ایک انسان کے لئے تمام جانور ذبح کیے جا سکتے ہیں، اسی طرح ایک اللہ کے ولی کے مقابلے میں تمام عام انسان کم درجے کے حامل ہوتے ہیں۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں خبردار کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے ولیوں کے مقابلے سے باز رہیں ورنہ بہت بڑے نقصان میں پڑ جائیں گے۔

6.4 بایزیدؒ اور کعبہ – اولیاء اللہ کی شان عام آدمی سے اونچی ہے

حضرت بایزیدؒ مکّہ کی طرف حج اور عمرے کے لئے جا رہے تھے۔ ان کی عادت شریفہ تھی کہ وہ جس شہر میں پہنچتے وہاں اہل اللہ کی تلاش کرتے تا کہ ان کی خدمت میں پہنچ کر برکات حاصل کی جائیں۔ انسان کو ہمیشہ خزانے کی نیت کرنی چاہیے جب خزانہ مل جائے تو نفع بھی حاصل ہو جائے گا۔ جب حج کا زمانہ آئے تو کعبہ کا قصد کرنا چاہیے جب کعبہ مل جائے تو مکّہ بھی دیکھ لیا جائے گا۔ روشندان آذان کی آواز کی نیت سے رکھنے چاہیے کیونکہ روشنی تو بہر حال اس میں آ ہی جائیگی۔

حضرت بایزیدؒ اس تلاش میں تھے کہ وہ اپنے وقت کے خضر کو پا لیں۔ بالآخر انہوں نے ایک بڑی عمر، ایک مناسب قد والے بزرگ کو دیکھا، اس میں انہیں مردان حق کی شان نظر آئی۔ جب ان کو قطبوں میں سے دیکھا تو ان کے سامنے انکساری دکھائی اور ان کی خدمت میں لگ گئے۔

ان بزرگوں نے پوچھا، اے بایزیدؒ تیرا کہاں کا ارادہ ہے۔ حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ میں ذوق و شوق کے ساتھ کعبے کی طرف روانہ ہوں، انہوں نے پوچھا کہ کتنا زاد راہ تمہارے پاس ہے۔ حضرت بایزیدؒ نے بتایا کہ میرے پاس چاندی کے دو سو درہم ہیں جو میں نے چادر کے ایک کونے میں مضبوطی سے باندھے ہوئے ہیں۔ اس پر ان بزرگ نے کہا تو میرے گرد سات بار طواف کر لے اور اس کو حج کے طواف سے بہتر سمجھ۔ تو وہ چاندی کے درہم میرے سامنے رکھ دے اور سمجھ لے کہ تو نے حج کر لیا اور تیرا مقصد پورا ہو گیا۔ تیرا حج و عمرہ بھی ہو گیا اور تو نے باقی رہنے والی عمر بھی حاصل کر لی۔ تو صاف بھی ہو گیا اور تیرا صفا کا چکر بھی پورا ہو گیا۔

اس خدا کی قسم جس کو تیری روح نے دیکھا کہ اس نے مجھے انسان کو اپنے گھر پر فضیلت دی ہے۔ اگرچہ کعبہ اس کی عبادت کا گھر ہے۔ میرا وجود بھی اس کے اسرار کا گھر ہے۔

جب سے کعبہ کو اس نے اپنا گھر بنایا ہے وہ کبھی اس گھر میں نہیں گیا ہے لیکن میرے وجود کے گھر میں تو اس حیّ و قیوم کے علاوہ کسی اور کی گنجائش نہیں۔ جب تو نے مجھے دیکھا تو گویا میرے خالق خدا کو دیکھا اور تو نے سچائی کے کعبہ کا طواف کر لیا۔ تو مجھے اللہ تعالٰی سے جدا نہ سمجھ۔ اچھی طرح آنکھ کھول کر مجھے دیکھ تا کہ تو بشر میں اللہ کا نور دیکھے۔ اے بایزیدؒ تو نے کعبہ پا لیا ہے۔ تو نے سینکڑوں عزتیں اور شانیں پا لی ہیں۔ اللہ تعالٰی نے کعبہ کو ایک بار "میرا گھر" کہا ہے لیکن تجھے ستر بار "میرے بندے" کہا ہے۔

حضرت بایزیدؒ نے ان نقطوں کو خوب یاد کر لیا سونے کی بالی کی طرح کانوں میں نہیں لیا۔ اس درس کے بعد بایزیدؒ بامزید ہو گئے۔ یعنی انہیں مزید بڑھوتری نصیب ہوئی وہ ایک درجہ کمال سے دوسری مرتبہ کمال میں جا پہنچے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ اولیاء اللہ کی شان بیان کرتے ہیں کہ کیسے وہ اپنے تزکیے، عبادت اور خدمت کے مراحل سے گزرتے ہیں "میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں، اس کے پاؤں بن جاتا ہوں" حدیث کے مصداق اللہ تعالٰی کے تقرّب میں چلے جاتے ہیں۔ ایسے میں ان کی خدمت اور اطاعت مرید کو بھی درجہ کمال تک پہنچا دیتی ہے۔ اس حکایت کا دوسرا سبق انسانی حُرمت ہے کہ جیسے نبی پاکؐ نے فرمایا کہ ایک مسلمان کی حرمت کعبے کی حُرمت سے زیادہ ہے۔

6.5 حضرت ابرہیم بن ادھمؒ - دنیا آخرت کے مقابلے میں حقیر ہے

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ ایک دریا کے کنارے بیٹھے سوئی سے اپنا فقیرانہ لباس سی رہے تھے۔ اچانک اس جگہ ایک سردار آیا جو پہلے بادشاہت کے زمانے میں ان کا غلام رہ چکا تھا۔ اس نے آپ کی تعظیم کی۔ آپ کو دیکھ کر اس کے دل کی حالت بدل گئی۔ وہ آپ کو اس حالت میں یوں گدڑی سیتے ہوئے دیکھ کر حیران رہ گیا اور استفسار کیا کہ آپ نے سلطنت چھوڑ کر یہ فقیری کیوں اختیار کرلی۔

آپ نے اپنے ہاتھ میں پکڑی سوئی پانی میں گرا دی۔ تھوڑی ہی دیر میں بہت ساری مچھلیاں اپنے منہ میں سونے کی سوئیاں لے کر پانی کی سطح پر آ گئیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ سونے کی سوئیاں نہیں بلکہ مجھے اپنی وہی لوہے کی سوئی چاہیے۔ اچانک ایک اور مچھلی نے پانی سے منہ باہر نکالا جس کے منہ میں آپ کی پھینکی ہوئی سوئی تھی۔

اس پر آپ اس سردار کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ دل کی بادشاہی اچھی ہے یا وہ حقیر حکومت۔ آپ نے فرمایا یہ ظاہری دنیا اس عظیم خدا کی عظیم سلطنت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ یہ زمین تو اس جنت کے باغ کے ایک پتے کی برابر بھی نہیں۔ اگر تو اس باغ میں پہنچنا چاہتا ہے تو کسی خوشبو کی جستجو کر۔ تاکہ وہ خوشبو تیری روح کے لئے کشش کا کام کرے اور تجھے باغ کی طرف کھینچے اور تجھے ہدایت کا راستہ دکھائے۔ وہ خوشبو تیری آنکھوں کو دیکھنے والا بنادے اور تیرے سینے کو کوہِ سینا بنادے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ یہ سبق دیتے ہیں کہ اس ظاہری دنیا کی شان و شوکت آخرت کی جنّت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ اسی وجہ سے اللہ کے ولی اس دنیا کی چیزوں کو کچھ خاص اہمیت نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ کی جنّتوں کا نظارہ تو اس دنیا میں نہیں ہو

سکتا لیکن اس کی خوشبو ضرور مل جاتی ہے۔ اس خوشبو کو تلاش کر کے اس کی پیروی کرنے سے اللہ تعالیٰ ضرور ہمیں اپنی ان نعمتوں اور جنّتوں سے ہمکنار کرے گا۔

6.6 شیخ اور بے وقوف آدمی – اولیاء اللہ کی بد گمانی نقصان دیتی ہے

ایک بے وقوف آدمی نے ایک شیخ پر تہمت لگائی کہ وہ گنہگار ہے اور راہ ہدایت پر نہیں۔ وہ شرابی، مکار اور خبیث ہے، وہ مریدوں کا دستگیر کیسے ہو سکتا ہے۔ ایک شخص نے اسے کہا ادب کو ملحوظ خاطر رکھ، اہل حق پر اس طرح کا بھتان نہ باندھ۔ یہ محض تیرا خیال ہے اسے جھٹک دے۔ اور اگر ایسا ہو بھی تو کسی بحر قلزم کا حوض نہیں کہ گندے پانی کا ایک قطرہ اسے ناپاک کر دے۔ حضرت ابراہیمؑ کو آگ سے کوئی ڈر نہیں، آگ سے نمرودیوں کو ڈرنا چاہیے۔

نفس نمرود کی طرح ہے اور عقل اور روح ابراہیمؑ خلیل اللہ کی طرح، روح مشاہدہ حق میں ہے اور نفس ہمیشہ دلیلیں مانگتا رہتا ہے۔ اگر واصل حق کوئی دلیل بیان کرتا ہے تو بحث کرنے والوں کی عقل کے لئے بیان کرتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے باپ چھوٹے بچے کے لئے توتلی آواز میں باتیں کرتا ہے۔ واصل حق تو مشاہدہ میں ہوتا ہے۔ اسے خود کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ دنیا کی مخلوق شیخ کے لئے بچے کی طرح ہوتی ہے اور وہ ان سے بچوں کی زبان میں ہی بات کرتا ہے۔

شیخ کو برا کہنے والے کفر اور گمراہی سے بھرے ہوئے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی اپنے آپ کو تلوار ٹکرائے۔ پانی کا چھوٹا حوض اگر دریا سے ٹکرائے گا تو اپنا وجود بھی کھو دے گا۔ جہاں پر شیخ ہے وہ کفر اور ایمان نہیں ہے کیونکہ شیخ کے پاس مغز ہے اور کفر اور ایمان دونوں چھلکا ہیں۔

ہماری روح حیوان کی روح سے اعلٰی ہے کیونکہ ہم علم میں آگے ہیں ہماری روح سے فرشتہ کی روح آگے ہے کیونکہ وہ انسان اور حیوان دونوں کے حواس سے پاک ہے۔ لیکن اہلِ دل اولیاء کی روح فرشتوں سے بھی اعلٰی ہے اسی لئے تو آدمؑ ان کے مسجود بنے۔ ہمیشہ کم تر اعلٰی کو سجدہ کرتا ہے۔ اس لئے فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں اللہ کے ولی کے مرتبے سے آگاہ کرتے ہیں کہ وہ مرتبے میں فرشتوں سے بھی آگے ہوتا ہے۔ ایسے اولیاء کے بارے میں بدگمانی انسان کو بہت بڑے خسارے میں مبتلا کر سکتی ہے۔ اولیاء کا عام لوگوں کے لیول پر آ کر ان کو نصیحت کرنا لوگوں کے مفاد کے لئے ہوتا ہے۔ ورنہ وہ خود مشاہدے کے مقام پر ہوتے ہیں جہاں قیل و قال اور دلائل کی گنجائش نہیں ہوتی۔

6.7 چوہا اور اونٹ - اللہ کے خاص بندوں کی مقابلے بازی سے بچنا چاہیئے

ایک چوہے نے اونٹ کی مہار پکڑی اور اکڑتا ہوا روانہ ہوا۔ جب اونٹ اس کے پیچھے چلا تو چوہا فخر میں آ گیا کہ میں کتنا طاقتور ہوں۔ چوہے کے اس خیال کا اثر اونٹ پر پڑا اس نے دل ہی دل میں کہا تو ذرا چل میں تجھے ٹھیک کرتا ہوں۔

تھوڑی دیر آگے جا کر نہر آ گئی۔ چوہا نہر کے کنارے کھڑا ہو گیا۔ اونٹ نے کہا، اے بہادر رہبر، چل نہر میں کود جا، رُک کیوں گیا ہے۔ چوہے نے کہا نہر بہت گہری ہے، میں ڈوبنے سے ڈر رہا ہوں۔ اونٹ نے کہا ٹھہر میں پانی چیک کرتا ہوں۔ اس نے اپنی ٹانگ نہر میں ڈالی اور کہا یہ تو بس ران تک ہے تو کیوں ڈر گیا۔ چوہے نے کہا ران اور ران میں بہت فرق ہے۔ جو تیرے لئے چیونٹی ہے وہ میرے لئے اژدہا ہے۔ اونٹ بولا پھر یہ اکڑنے کی گستاخی نہ کر کہ اس چنگاری سے تیرا جسم اور روح جل جائیں گے۔ تو اپنے جیسے چوہوں سے مقابلہ کر۔ چوہے کا اونٹ سے مقابلہ مناسب نہیں۔ چوہے نے کہا میں نے توبہ کی، اب مجھے اس پانی سے پار کرا دے۔ اونٹ نے کہا میرے پالان پر چڑھ آ میں تجھے پار کرا دوں گا۔ میں نے تجھ جیسے لاکھوں کو پار کیا ہے۔

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تو پیغمبر نہیں ہے تو پھر پیغمبر کے راستے پر چل تا کہ تو منزل پر پہنچ جائے۔ اگر تو بادشاہ نہیں ہے تو رعایا بن کے رہ۔ اگر تو ملاح نہیں ہے تو پھر گہرے پانی میں کشتی نہ چلا بلکہ کسی ملاح کی سواری بن۔ بہتر ہے کہ تم چپ رہو اور جب تم اللہ کی زبان نہ بن سکے تو پھر کان بن جاؤ۔ اللہ کے ولیوں سے مسکین کی طرح بات کرو۔ تکبّر اور کینہ کی ابتداء خواہش نفسانی سے ہے۔ جب کوئی تیری عادت کے خلاف بولے تو تجھے اس سے کینے پیدا ہوتے ہیں۔ چونکہ تو مٹی کھانے والا بن گیا ہے۔ جو بھی تجھے مٹی کھانے سے ہٹاتا ہے تو اس کا دشمن بن جاتا ہے۔ نفسانی خواہش کے سانپ کو ابتداء ہی

میں مار ڈال ورنہ یہ اژدہا بن جائے گا۔ تو تانبے کی طرح اکسیر کی خدمت کر۔ اے دل اپنے دلدار کی سختی کو برداشت کر۔ دلدار کون ہے۔ اللہ کے خاص بندے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں سے مقابلہ بازی سے منع فرماتے ہیں اور ان کے سامنے عاجزی کی تعلیم دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں سے کینہ ہماری خواہش نفسانی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اس خواہش کے پیچھے ہماری بُری عادات ہوتی ہیں جن کو ہم چھوڑنا نہیں چاہتے بلکہ جو چھڑانے کی کوشش کرے اس کے مقابلے میں آ جاتے ہیں۔

6.8 درویش اور کشتی - اللہ کے ولیوں کی تعظیم ضروری ہے

ایک کشتی میں اور لوگوں کے ساتھ ایک درویش ولی بھی سوار تھا۔ وہ درویش دریا کے سفر کے دوران سو رہا تھا۔ کشتی میں شور مچا کہ ایک درہموں سے بھری ہوئی چمڑے کی تھیلی گم ہو گئی ہے۔ سب کی تلاشی لی گئی۔ لوگوں نے کہا کہ اس درویش کی بھی تلاشی لیں۔ وہ دریش کی طرف سختی سے لپکے کہ اتار اپنی گدڑی اور تلاشی دے ضرور یہ تھیلی تمہارے پاس ہے۔

درویش نے اللہ تعالیٰ سے التجاء کی کہ ان لوگوں نے تیرے غلام پر الزام لگایا ہے۔ تو ہر مصیبت میں میرا نگہبان ہے مجھے اس مصیبت سے بچا۔ جب لوگوں کے الزام لگانے سے درویش کے دل کو تکلیف پہنچی تو دریا سے کئی مچھلیوں نے منہ میں قیمتی موتی لئے ہوئے سر باہر نکالا اور وہ موتی کشتی میں پھینک دیے۔ وہ ایک ایک موتی پوری سلطنت سے قیمتی تھا۔ اتنے میں اس درویش نے بھی ہوا میں چھلانگ لگائی۔ وہ ہوا کو کرسی بنا کر بیٹھ گیا اور کشتی چھوڑ دی۔ اس نے کہا یہ کشتی تمہاری ہے اور یہ میرے خدا کا میرے لئے بندوبست ہے۔ تا کہ تمہارے ساتھ چور فقیر نہ رہے۔ دیکھو اس جدائی کا نقصان کسے ہوتا ہے۔

کشتی والے آوازیں لگا رہے تھے اے بزرگ تجھے یہ مقام کیسے حاصل ہوا۔ درویش نے کہا، تم لوگوں کے مجھ پر تہمت لگانے کی وجہ سے، اللہ کے بندے کو ستانے کی وجہ سے، مجھے یہ مقام اللہ کے ولیوں کی تعظیم کرنے سے حاصل ہوا ہے۔ میں فقیروں اور درویشوں سے کبھی بد گمان نہیں ہوا۔

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کے ولیوں کی تعظیم کے لئے صورہ عبس نازل ہوئی۔ جب نبی پاکؐ عرب کے سرداروں سے بات کر رہے تھے تو حضرت عبد اللہ بن مکتومؓ آئے جو کہ اندھے تھے۔ نبی پاکؐ جب ان کی طرف متوجّہ نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے نبی

پاکؐ کو فرمایا کے آپ کو عبد اللہ بن مکتومؓ سے بے التفاتی نہیں برتنی چاہئے تھی۔ فقیری اس کے سوا کچھ نہیں کہ فقیر اللہ تعالیٰ کا تقرّب چاہتا ہے۔

نفس سوفسطائی ہے۔ اس سے دلیلوں میں بات کرنے کا فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اس کی سر زنش ہی کرنی چاہیے۔ سوفسطائی نفس جب معجزہ دیکھتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے لیکن اگلے ہی لمحے اس کا انکار کر دیتا ہے کہ یہ مستقل کیوں نہیں ٹھہرتا۔ یہ معجزات پاک لوگوں کی آنکھوں میں ہی ٹھہرتے ہیں۔ حیوانی آنکھ ان معجزات کو سمو لینے سے عاری ہی رہتی ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ اللہ کے ولی درویشوں کو متہم کرنے سے منع فرماتے ہیں۔ اولیاء اللہ تعالیٰ کے ہاں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ جس سے ہم واقف نہیں ہوتے۔ اگر ہم بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں اعلیٰ مقام کے متمنّی ہیں تو ہمیں اولیاء کی تعظیم کرنی چاہیے۔ اور اپنے سوفسطائی نفس سے چھٹکارا پانا چاہیے جو ہمیں محض شک اور غیر ضروری دلیلوں میں الجھائے رکھتا ہے۔

6.9 حلوہ اور طبیب – استاد اور شاگرد میں مرتبے کا فرق ہے

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ مقام اور مرتبے کے پیشِ نظر اگر اللہ کا ولی زہر کھائے تو ممکن ہے کہ تریاق ہو جائے لیکن اگر یہی زہر کوئی عام آدمی کھائے تو اسے نقصان پہنچائے گا۔

مرشد اور استاد موسم بہار کی طرح ہے اور مخلوق خزاں کی طرح ہے، مرشد اور استاد کے بغیر یہ تصّوف اور حقائق کی دنیا کا سفر مشکلات اور آفات سے بھرا پڑا ہے۔ استاد کے بغیر گمراہ ہونے کے خطرات بڑھ جاتے ہیں۔ نفس کا گدھا گھاس کی طرف بھاگتا ہے۔ اس کی گردن موڑ کر اسے سیدھے رستے پر ڈالنا پڑتا ہے۔ ایسے میں کسی مرشد اور استاد کا ساتھ انسان کے لئے آسانی پیدا کرتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ مجھے ایسی عظیم سلطنت عطا فرما جو مجھ سے پہلے تو نے کسی کو نہ دی ہو تو ان کی یہ دعا نعوذ باللہ کسی حسد کی بنیاد پر نہیں تھی کہ وہ یہ چاہتے تھے کہ ان جیسی سلطنت کسی اور کے پاس نہ ہو بلکہ وہ اس سلطنت کے انتظام کے خطرات اور مشکلات سے بخوبی آگاہ تھے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو وہ تمام خوبیاں عطا کی تھیں جو اس سلطنت کو چلا سکتی تھیں تو یہ ان کی وہ دعا ان کے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے موزوں اور مناسب تھی۔

لیکن اگر کوئی اور حضرت سلیمانؑ کی متابعت میں ایسی دعا مانگے تو وہ گویا اس کے لئے آزمائش اور مشکلات کا پیش خیمہ ہو گی۔ کیونکہ وہ ایسی دعا ایسی صلاحیتوں کا حامل ہونے کے بغیر مانگ رہا ہے۔

خلاصہ

یوں مقام و مرتبے کے لحاظ سے تمام انسان برابر نہیں ہیں۔ جو چیز اللہ کے نبی یا ولی کے لئے مناسب ہوتی ہے وہ ضروری نہیں کہ ایک عام طالب کے لئے بھی مناسب ہو گی۔ ایسے میں محض منطق اور قیاس سے سے کام لینا بسا اوقات گمراہی کا باعث بنتا ہے۔

جاڑا اور برف باری کچے انگوروں کو نقصان پہنچاتے ہیں کیونکہ وہ ابھی ناپختہ ہیں لیکن پکے ہوئے انگوروں کو اس سے نقصان نہیں ہوتا۔

6.10 بوڑھا اور طبیب – صوفی اندونی مزاج میں بچہ ہوتا ہے

ایک بوڑھے نے طبیب سے کہا میری یاداشت کمزور ہو گئی ہے۔ طبیب نے جواب دیا یہ بڑھاپے کی وجہ سے ہے۔ بوڑھے نے کہا میری نظر بھی کمزور ہے اور کمر میں بھی درد رہتا ہے۔ طبیب نے کہا یہ بھی بڑھاپے کی وجہ سے ہے۔ بوڑھے نے کہا ہاضمہ بھی ٹھیک نہیں اور سانس لینے میں بھی دشواری ہوتی ہے۔ طبیب نے کہا یہ بھی بڑھاپے کہ وجہ سے ہے۔ بوڑھے نے کئی مرض بیان کیے اور ہر بار طبیب نے اس کا جواب بڑھاپا ہی دیا۔

اس پر بوڑھے کو غصّہ آ گیا اور اس نے طبیب سے کہا تیرا دماغ خراب ہو گیا۔ تو بے وقوف ہے تو نے طب میں بس یہی سیکھا ہے۔ تو نے یہ نہیں سنا کہ اللہ تعالٰی نے ہر بیماری کا علاج پیدا کیا ہے۔ اس کی بات سن کر طبیب نے کہا کہ تیرا یہ غصّہ بھی بڑھاپے کی وجہ سے ہے۔ بڑھاپے کہ وجہ سے تیری ضبط کرنے کی طاقت کم ہو گئی ہے اس لئے تو میری باتوں کو برداشت نہیں کر سکا۔

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے جن کے باطن میں پاکیزگی ہے اور وہ خدا مست ہیں۔ اگرچہ وہ بھی عمر کے لحاظ سے بوڑھے ہوتے ہیں لیکن یہ بڑھاپا صرف ظاہر میں نظر آتا ہے۔ اپنے اندرون میں وہ بچوں کی طرح ہوتے ہیں۔ اللہ تعالٰی کے ان ولیوں کی تعظیم کرنی چاہیے۔ ان کا مرتبہ عام آدمی کو نظر نہیں آتا۔ اگر وہ تیرے سامنے ہنستا ہے تو اس کو اپنے جیسا نہ سمجھ کیونکہ اس ولی کے اندر سو قیامتیں چھپی ہوتی ہیں۔ اس کے اجزاء جنت اور دوزخ کی طرح ہیں۔ وہ مرتبے کے لحاظ سے عام آدمی کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ اللہ کے ولی کی گستاخی کی کوئی گنجائیش نہیں۔ بے وقوف لوگ مسجد کی تعظیم کرتے ہیں لیکن اہل دل پر ظلم کی روا رکھتے ہیں۔ حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں، اے گدھے، وہ یعنی مسجد مجاز ہے اور یہ ولی، اللہ کا ولی، حقیقت ہے۔ سب سے عظیم مسجد وہ ہے جو اللہ کے ولی کے دل کے اندر ہے اور اس مسجد میں خدا ہے۔ جب کسی قوم نے اللہ

کے ولی کا دل دکھایا وہ قوم ضرور رسوا ہوئی۔ اور چونکہ ہم میں پچھلے قوموں کے اخلاق وراثت میں منتقل ہوئے ہیں اس لئے ہمیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ ہمارے اخلاق بھی بگڑ کر ایسے ہو جائیں کہ ہم انبیاء اور اولیاء کے نافرمان بن جائیں۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ بتاتے ہیں کہ اللہ کا ولی بڑھاپے میں پہنچ کر بھی اپنے اندرونی مزاج کے ساتھ جوان ہی رہتا ہے۔ اولیاء کے مزاج دوسروں کی طرح ضعیف اور لاغر نہیں ہوتے۔ دوسرا سبق یہ ہے کہ اولیاء کی تعظیم کو ہر صورت ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے ورنہ شدید نقصان کا احتمال رہتا ہے۔

6.11 بے مصلّی نماز – انبیاء اور اولیاء کی شان کو عام آدمی سے قیاس نہیں کرنا چاہئے

حضرت عائشہؓ نے نبی پاکؐ سے کہا آپ مجمع میں ہوں یا تنہائی میں، جہاں موقع ملتا ہے بغیر مصلّی کے زمین پر بھی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ زمین کو بعض اوقات بچے ناپاک بھی کر دیتے ہیں۔

نبی پاکؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے بڑے لوگوں کے لئے نجس کو پاک کر دیا ہے۔ اس بات کو سمجھ۔ اللہ تعالیٰ نے میری سجدہ گاہ کو سات طبقوں تک پاک کر دیا ہے۔ اے لوگو شاہوں سے حسد نہیں کرنا چاہیے۔ ورنہ آدمی اس دنیا میں ابلیس بن جاتا ہے۔ اللہ کا ولی اگر زہر کھالے تو وہ شہد بن جائے اور اگر تُو شہد کھائے تو وہ زہر بن جائے گا۔ چونکہ اللہ کا ولی بدل گیا ہے اس لئے اس کا کام بھی بدل گیا ہے۔ وہ سراپا محبّت ہے اور اس کی آگ نور بن گئی ہے۔ ابابیل میں اللہ کی طاقت تھی ورنہ ایک پرندہ ہاتھی کو کیسے مار سکتا ہے، اگر تجھے اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف سے دی گئی طاقت میں شک ہے تو جا، جا کر سورہ فیل پڑھ لے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں انبیاء اور اولیاء کے مرتبے اور طاقت سے آگاہ کرتے ہیں اور ان کے کاموں کو اپنے کاموں سے قیاس کرنے سے منع کرتے ہیں۔

7 سفر کے اشارے

تو چہ دانی بانگ مُرغاں را ہمے
چوں ندیدستی سلیماں را دمے
مرغ کو بے ایں سلیماں می دور
عاشق ظلمت چو خفاشے بود

تو پرندوں کی بولی کب جانتا ہے
تو نے تو کبھی سلیمان کو دیکھا ہی نہیں
جو مرغ سلیمان کے بغیر پھرتا ہے
وہ چمگاڈر کی طرح اندھیروں کا عاشق بن جاتا ہے

7.1 اللہ یتوفی الانفس – روح کا حِس کی قید سے آزاد ہونا

اس مضمون میں سورۃ الزمر کی آیت-42 کی تفسیر بیان کی گئی ہے اور پھر اس کا موازنہ مردِ عارف سے کیا گیا ہے-اس آیت کے مطابق اللہ تعالی ارواح کو موت کے وقت اور حِسّی نیند کے دوران قبض کرتا ہے اور یوں وہ جسم کی گرفت سے آزاد ہو جاتی ہیں۔ حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ عام لوگوں کی ارواح اگرچہ حِسّی نیند کے دوران جسموں کی قید سے آزاد ہوتی ہیں لیکن گویا ایک رسی سے بندھی ہوتی ہیں اورآدمی کے بیدار ہوتے ہی جھٹ سے واپس بدن میں آجاتی ہیں-لیکن ایک مردِ عارف کا معاملہ اس سے بہت مختلف ہوتا ہے۔ اس کی روح، جسم اور حس کی قید میں نہیں ہوتی بلکہ وہ حِسّی نیند اور جسمانی موت کے بغیر بھی آزاد اور فعال ہوتی ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے کہ وہ نفوس کی ارواح اس وقت قبض کرتا ہے جب وہ مرتی ہیں یا جب وہ نیند میں ہوتی ہیں۔ یعنی ان دو اقات میں ظاہری حواس کی قید سے نکل جاتی ہیں۔ لیکن اس کے برعکس اولیاء اللہ کی ارواح اپنی زندگی میں جاگتے ہوئے بھی حواس کی قید سے آزاد ہوتی ہیں۔

7.2 اصحاب کہف – ظاہری حواس کی قید سے آزاد ہونا

اس مضمون میں حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ کاش اللہ تعالی ہماری روح بھی اصحابِ کہف کی روح کی طرح محفوظ کر دے، جیسے کشتی نے نوحؑ کو محفوظ کر دیا تھا- یوں ہمارے دل اور آنکھیں اور کان اس محدود حِسّی بیداری کے طوفان سے نجات پا جائیں- اے مخاطب بہت سے اصحاب کہف اس دنیا میں اس وقت بھی تیرے آس پاس موجود ہیں لیکن تیری آنکھ اور کان پر مہر لگی ہے اور تو انہیں دیکھ اور سن نہیں سکتا۔

خلاصہ

اس مضمون میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں بتاتے ہیں کہ اصحاب کہف جیسے اولیاء جو حسی زندگی کی قید سے آزاد تھے اور زمانہ بھی ان پر اثر انداز نہیں ہوتا تھا۔ ویسے لوگ اب بھی دنیا میں موجود ہیں لیکن عام لوگ اس بات کا ادراک نہیں رکھتے۔

7.3 دوسرے ستارے – بلند نسبت

روشندان کی روشنی گھر کے چاروں طرف اس لئے دوڑتی ہے کیونکہ سورج ایک برج (پوزیشن) سے دوسرے برج کی طرف جاتا ہے۔ ہر کسی کی اپنے ستارے کے ساتھ دوڑ ہے۔ زہرہ سے وابستگی والا عیش و مطرب کا جبکہ مریخ سے وابستگی والا لڑائی جھگڑے کا میلان رکھتا ہے۔

لیکن ان مشہور سستاروں کے پیچھے اور ستارے بھی ہیں جو ان سات آسمانوں کے علاوہ دوسرے آسمانوں میں گردش کر رہے ہیں۔ وہ ستارے خدا کے انوار کی روشنی میں ثابت قدم ہیں۔ ان میں چلانے کا یا پھر نحوست کا میلان نہیں ہے۔ وہ نور کی زد میں ہیں اور اندھیرے سے محفوظ ہیں۔ جو ان ستاروں سے وابستہ ہے اس نے اپنا منہ خدا کے غیر سے موڑ لیا ہے اور صفات مذمومہ سے نجات پا گیا ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ انسان کو وحدت کے اعلیٰ اصولوں کو اختیار کرنے کا سبق دیتے ہیں۔ جب انسان توحید کے اعلیٰ اصولوں پر کھڑا ہوتا ہے تو درمیان کے اسباب اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

7.4 جسم کا ابو جہل – روح اور عقلِ خالص کی طرف سفر

ایک بت جسے کافر پوجتا ہے وہ کوزے میں چھپے کالے پانی کی طرح ہے۔ انسان کا نفس اس کالے پانی کا چشمہ ہے۔ ایک پتھر کا ٹکڑا سو گھڑے توڑ سکتا ہے لیکن پانی کے چشمے پر اس پتھر کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اگر گھڑے کا پانی ختم ہو جائے تو جب تک چشمہ چل رہا ہے وہ پھر سے ان گھڑوں کو بھر دے گا۔ اس لئے بت کا توڑنا آسان ہے لیکن بت ساز نفس کا مقابلہ کرنا مشکل ہے۔ اس نفس کے ہر سانس میں مکر ہے اور ہر مکر میں سو سو فرعون چھُپے ہیں۔ اے انسان موسیٰؑ اور موسیٰؑ کے خدا کی طرف بھاگ، فرعونیت سے اپنے ایمان کو خراب نہ کر۔ اے بھائی احد اور احمدؐ سے تعلق پیدا کر اور جسم کے ابو جہل سے چھٹکارہ حاصل کر۔

خلاصہ

اس مضمون میں حضرت مولانا رومیؒ انسان کو اس کے نفس کے سفلی پہلو کی طرف متوجّہ کرتے ہیں جس میں یہ نفس فرعون اور ابو جہل کی طرح انکاری بن جاتا ہے۔

7.5 عشق – علم سے آگے عشق کا سفر

دل کی زاری اور درد سے عاشقی ظاہر ہوتی ہے۔ اس دل کے درد کی بیماری جیسی کوئی اور بیماری نہیں ہے۔ عاشقی چاہے اِدھر کی ہے یا اُدھر کی، آخر کار ہمارے اس بادشاہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ عشق کی تعریف میں علم شرمندہ ہو جاتا ہے، قلم ٹوٹ جاتا ہے اور کاغذ پھٹ جاتا ہے۔ عشق کی شرح کرنے والی عقل دلدل میں پھنسے گدھے کی طرح ہے۔ عشق کی شرح خود عشق نے ہی کی ہے اور سورج کی دلیل خود سورج ہی ہے۔ عشق خدا کے بھیدوں کا اصطرلاب ہے یعنی عشق کی کیفیات قلب انسانی میں ایسی صلاحیّت پیدا کرتی ہیں کہ اسے خدا اور کائنات کے علوی حقائق کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

خلاصہ

اس مضمون میں حضرت مولانا رومیؒ بتاتے ہیں کہ عشق، علم اور قلم سے آگے بڑھ کر انسان کے لئے معرفت اور اسرار الٰہی کی راہیں کھولتا ہے۔

7.6 قوم ہُود – قدرت باریکی سے دیکھتی ہے

حضرت شیبان راعیؒ بکریوں کے ریوڑ کے گرد ایک لکیر کھینچ کر جمعہ کی نماز کے لئے چلے جاتے تھے تاکہ بکریوں کو کوئی بھیڑیا نہ اٹھا کر لے جائے۔ نہ کوئی بھیڑ اس لکیر کو پار کرتی اور نہ ہی کوئی بھیڑیا اس لکیر کے اندر آتا۔ بھیڑ اور بھیڑیے کی حرص اس مرد خدا کے دائرے میں بند تھی۔ اسی طرح ہودؑ نے اپنی قوم کے مومنین کے گرد ایک لکیر کھینچ دی۔ اب وہ تیز ہوا کا عذاب دوسروں کو برباد کر رہا ہے لیکن جب اس لکیر کے پاس پہنچتا تو نرم ہوا میں بدل جاتا۔ ایسے ہی اولیاء اللہ پر موت کی ہوا نرم اور خوشگوار ہوتی ہے۔ اور آتش نمرود ابراہیمؑ کے لئے باغ بن جاتی ہے دریا کی موج موسیٰؑ اور فرعونیوں کو الگ الگ پہچانتی ہے۔ ہمارے نیک اعمال اور حُسن معاشرت بھی کچھ اسی قسم کی لکیریں کھینچتے ہیں جو ہماری منفعت کی بھیڑوں کو حوادث کے بھیڑیوں سے محفوظ رکھتی ہیں۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ یہ سبق دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی فوجیں ماننے والوں اور انکار کرنے والوں کو خوب پہچانتی ہیں اور عذاب و ثواب کے معاملے میں کامل درستگی ہوتی ہے۔

7.7 دوسری قسم کی بارش – غیب کے اندر خزانے ہیں

ایک دفعہ نبی پاکؐ اپنے ایک صحابی کا جنازہ پڑھانے قبرستان تشریف لے گئے۔ آپؐ نے ان صحابی کو زمین میں دفن کر کے گویا مٹی کے اندر ان کا دانہ زندہ کر دیا۔ مٹی کے اندر دفن کئی بیج درخت بن کر مٹی سے ہاتھ باہر نکال کر لوگوں کو سو سو اشارے کرتے ہیں۔ غافل لوگ ان اشاروں اور ان آوازوں کو نہیں سمجھتے۔

جب آپؐ قبرستان سے لوٹے تو حضرت عائشہؓ نے آپؐ کے عمامے کو چھوا، آپؐ کے بالوں اور چہرے کو ہاتھ لگایا اور حیرانگی کا اظہار کیا کہ باہر تو بارش ہو رہی تھی اور آپؐ کا جسم اور کپڑے بالکل بھی گیلے نہیں ہوئے۔ آپؐ نے پوچھا کہ اے عائشہؓ تو نے اپنے سر پہ کیا اوڑھ رکھا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ آپؐ کی چادر کو دوپٹا بنا کر سر پر اوڑھ رکھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیبی بارش دکھائی۔ یہ عام بادلوں والی بارش نہیں تھی۔ بلکہ یہ ایک دوسرے آسمان سے دوسری طرح کی بارش تھی۔ جو خدا کی رحمت لے کر نازل ہوتی ہے۔ اس بارش سے کپڑے گیلے نہیں ہوتے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں اگر کسی کی باطن آنکھ کھل جائے تو بہت جلد وہ اپنی پسند کا سرمہ حاصل کر لیتا ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ یہ سبق دیتے ہیں کہ اس کائنات میں ظاہر کے ساتھ ساتھ ایک غیبی نظام بھی چل رہا ہے۔ اس غیبی نظام کو صرف پاک دلوں والے اور باذوق ارواح ہی دیکھتی ہیں۔

7.8 روح کا آسمان – آسمانوں کے بھی آسمان ہیں

حضرت مولانا رومیؒ حکیم سنائیؒ کے ایک شعر کی تشریح کرتے ہیں جس میں حکیم سنائیؒ فرماتے ہیں کہ روح کی اقلیم یعنی کائنات میں ایک اور طرح کے آسمان ہیں اور روح کے وہ آسمان ہماری دنیا کے آسمانوں میں اثر رکھتے ہیں اسی طرح روح کے رستے میں بھی بلندیاں، پستیاں، پہاڑ اور دریا ہیں۔

عالم غیب کے بادل اور پانی دوسرے ہیں، اس کے آسمان اور سورج دوسرے ہیں یہ صرف خدا کے خاص بندوں پر ظاہر ہوتے ہیں باقی لوگ ان کے بارے میں شبہ میں ہی رہتے ہیں۔ بہار کی بارش باغ میں مستی پیدا کرتی ہے جبکہ خزاں کی بارش بیماری کی طرح ہے۔ اسی طرح کے الگ الگ سورج، ہوا، گرمی اور سردی کے اصول سمجھ۔ عالم غیب میں نفع، نقصان، تکلیف اور راحت کی مختلف قسمیں ہیں۔ صوفیا کا کلام بہار کی طرح زندگی پیدا کرتا ہے اور اس سے دل و جان میں سبزہ اُگتا ہے۔ جبکہ لغو اور بیہودہ کلام دل و جان کی پژمُردگی کا سبب بنتے ہیں۔ نبی پاکؐ کی اس حدیث پر غور کرو کہ موسم بہار کی ٹھنڈ کو غنیمت سمجھو یہ تمہارے جسموں کے ساتھ وہی کرتی ہے جو تمہارے درختوں کے ساتھ اور موسمِ خزاں کی سردی سے بچو کے یہ تمہارے جسموں پر وہی اثر کرتی ہے جو تمہارے درختوں پر۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ یہ سبق دیتے ہیں کہ ظاہری حواس اس کائنات کے ظاہری اسباب کو ہی دیکھتے ہیں۔ دراصل ان محدود ظواہر کے پیچھے ایک اور طرح کے لا محدود اسباب بھی ہیں۔ ان غیبی اسباب سے منسلک ہو کر ہی انسان اللہ تعالیٰ کے تقرّب میں پہنچتا ہے اور اس کے نور سے منوّر ہوتا ہے۔

7.9 کشتی اور عربی دان – نحو سے زیادہ محو ضروری ہے

ایک نحوی دریا عبور کرنے کے لئے ایک پتن سے کشتی پر سوار ہوا۔ اس نے بڑے تکّبر سے ملاح کی طرف دیکھا اور پوچھا کیا تم نے عربی گرائمر پڑھ رکھی ہے۔ ملاح نے جواب دیا کہ نہیں، اس پر اس نحوی نے ملاح سے کہا کہ تیری تو آدھی عمر برباد ہو گئی۔ یہ سُن کر اس سادہ لوح نوجوان ملاح کا دل ٹوٹ گیا۔ لیکن وہ خاموش رہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کشتی گرداب میں پھنس گئی، ہوا بھی تیز چل رہی تھی۔ ایسے میں ملاح نے نحوی سے چِلا کر کہا تمہیں تیرنا آتا ہے۔ نحوی نے کہا اسے تیراکی کا کُچھ تجربہ نہیں۔ ایسے میں ملاح نے کہا پھر تو تیری ساری عمر برباد ہو گئی۔ کیونکہ کشتی بھنور میں پھنس گئی ہے۔

اس جگہ محو ہونا کام آئے گا نہ کہ نحو اگر تو نِرا نحوی ہے تو پھر ڈوبنے کا وقت آن پہنچا ہے۔ لیکن اگر لیکن اگر محوی (یعنی تو نے دریا کے ساتھ یعنی خدا تعالیٰ کے ساتھ محو ہونا سیکھا ہے) تو بے خطر دریا میں کُود جا۔ دریا کا پانی مردے کو سر پر اُٹھا لیتا ہے۔ یعنی ایسا آدمی جس نے اپنے آپ کو کائنات کے حقائق کے ساتھ ہم آہنگ کر لیا ہو تو یہ کائنات اس کی حفاظت کا سامان کرتی ہے۔ اگر انسان بشری خصلتوں کے لحاظ سے مردہ ہو جائے۔ تو اسرار کا سمندر اس کو سر پر اُٹھا لیتا ہے۔ وہ آدمی جو اپنی علمیت پر گمنڈ کرتا ہے۔ وہ کسی نہ کسی بری حالت میں پھنس جاتا ہے۔ اگر کوئی علاّمہ زمان بھی بن جائے پھر بھی فنا ہونے سے نہ بچ پائے گا، جب تک ذاتِ باری تعالیٰ سے محویت کا تعلق نہ پیدا کر لے۔ فقہ کی فقہ، نحو کی نحو اور صَرف کی صَرف، اے بھلے آدمی بشریٰ صفات کے فنا ہونے کی صورت میں ہی پائے گا۔

ایک دیہاتی پانی کی ایک صراحی تحفہ کے طور پر دریائے دجلہ کے بادشاہ پاس لے کر جا رہا تھا کہ وہ بادشاہ کو اس پانی کا تحفہ دے۔ اسے یہ علم نہیں تھا کہ وہ تو دجلہ کا بادشاہ ہے، دریائے دجلہ کا مالک ہے، یہ تھوڑا سا پانی اس بادشاہ کے لئے کیا اہمیت رکھتا ہے۔ یہی مثال

ہمارے علوم کی ہے۔ ہمارے علوم اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے پانی کے ایک کٹورے کی طرح ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کے علوم سمندروں کی طرح ہیں۔ وہ دیہاتی تو غافل تھا اسے دریائے دجلہ کی وسعت اور سیرابی کا کچھ پتا نہیں تھا۔ وہ اپنے زعم میں پانی سے بھری صراحی کو کوئی بڑی چیز سمجھے ہوئے تھا۔ لیکن ہمیں تو اس دجلہ کی خبر ہے۔ اگر وہ ہماری طرح باخبر ہوتا تو یہ کام کبھی نہ کرتا۔ اگر وہ ہماری طرح دریائے دجلہ کی سیرابی سے واقف ہوتا تو اپنی پانی کی صراحی کو پتھر مار کر توڑ دیتا۔ اے انسان، ہماری علم و عقل کی چھوٹی سی صراحی شرم اور ذلت سے بھری ہوئی ہے۔ اور علوم و معرفت خدائی سمندر کے سامنے حجاب بن گئے ہیں۔ اس کو پتھر پر مار کر توڑ دے۔

خلاصہ

اس حکایت میں نحوی یعنی عربی دان سے مُراد دین کا ظاہری علم رکھنے والا شخص ہے جو علم کی تکنیکی مہارت پر گھمنڈ کرتے ہوئے اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز سمجھتا ہے اور دین کی اصل غایت جو کہ تزکیہ، تقرّبِ الٰہی، فلاحِ انسانیت اور باہمی ہم آہنگی کا تقاضا کرتی ہے اس سے دور ہو جاتا ہے۔ ملاح سے مُراد ایک ایسا شخص ہے جو اگرچہ دین کا ظاہری علم نہیں رکھتا لیکن اپنی سلیم فطرت کے ساتھ کائنات اور ربِ کائنات سے ہم آہنگ ہے۔ کشتی سے مُراد ہماری دُنیا ہے اور دریا سے مُراد دریائے وحدت ہے جو تزکیہ، فلاح اور باہمی ہم آہنگی کو نجات بخشتا ہے لیکن گھمنڈ، تصنع اور پیچیدگیوں کے حاملین کو ڈبو دیتا ہے۔

7.10 نہر اور دیوار – جبلّتوں اور شہوات کی دیوار توڑنا ضروری ہے

ایک نہر کے کنارے اونچی دیوار تھی جس پر ایک پیاسا شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے اور نہر کے درمیان یہ اُونچی دیوار حائل تھی۔ وہ سخت پیاسا تھا اور پانی کے لئے مچھلی کی طرح بے تاب تھا۔ یہ دیوار اس کے لئے آڑ تھی اور اس کی دردناک فریاد آسمان تک پہنچ رہی تھی۔

اچانک اس نے ایک اینٹ دیوار سے اُکھاڑ کر پانی میں پھینکی تو اس کے کان میں شڑپ کی آواز آئی۔ پانی کی اس آواز نے پیاسے کو شراب کی طرح مست کر دیا۔ اسے یہ آواز دوست کی میٹھی اور لذیذ گفتگو جیسی محسوس ہوئی۔ پانی بولا تجھے میرے اندر اینٹ مارنے سے کیا فائدہ ہے۔ پیاسا بولا مجھے اس کے دو فائدے ہیں۔ پہلا فائدہ تو تیری آواز سننا ہے جو پیاسوں کے لئے کسی ابر سے کم نہیں۔ یہ گویا اسرافیل کی آواز ہے جس سے مردوں کو زندگی حاصل ہوتی ہے یا پھر بہار میں بادل کے گرج کی آواز ہے جو باغ کے لئے سرسبزے کی نوید ہے۔ یہ آواز یوسفؑ کی خوشبو کی طرح ہے جو یعقوب کی جان پر اثر کرتی ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ہر اینٹ جو میں اکھاڑتا ہوں اس سے یہ دیوار کی رکاوٹ کمتر ہوتی ہے اور میں صاف پانی سے نزدیک ہوتا جاتا ہوں۔ جب تک یہ دیوار اونچی گردن کی طرح تنی ہوئی ہے۔ یہ میرے پانی کی طرف سر جھکانے میں مانع ہے۔ جو پانی کی آواز کا زیادہ عاشق ہو گا۔ وہ دیوار کو اکھاڑ اکھاڑ کے پانی میں پھینکے گا۔

اے صاجزادے جوانی کو غنیمت سمجھ۔ اس ہمّت اور طاقت کو غنیمت سمجھ، اب اس قوّت والی عمر میں اس دیوار کو اکھاڑ پھینک۔ جب بڑھاپا آ گھیرے گا۔ ہاتھ پیر لاغر، کمر دہری اور دل سست ہو گا۔ اس وقت تمہارے اندر یہ دیوار کو اُکھاڑ پھینکنے والی توانائی نہیں ہو گی۔ بڑھاپے کی مثال دن بے وُقّت، لنگڑا گدھا، دراز رستہ، کارخانہ ویران اور عمل ناکارہ کی سی ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ توانائی والی عمر میں جسمانی جبلّتوں، مادی خواہشات اور نچلے درجے کے مقاصد کی دیوار کو توڑنے کا سبق دیتے ہیں۔ یہ ہی وہ دیوار ہے جو ہمیں تقرّب الٰہی کی نہر کے پانی سے دور رکھتی ہے۔ اگر ہم پورے ذوق کے ساتھ کوشش کرتے رہیں تو ایک روز ہمارے اور انوار کی نہر کے درمیان حائل یہ دیوار ضرور ٹوٹ جاتی ہے۔

7.11 بلقیس، ہدہد اور سلیمان – باطنی حواس اور عقل خالص کی طرف بڑھنا چاہیئے

ہدہد سلیمانؑ کی طرف سے ایک خط ملکہ سبا بلقیس کے پاس لے کر گیا۔ بلقیس نے خط کے گہرے نکات کو پڑھا اور متاثر ہوئی۔ اس نے ہدہد جیسے نامہ بر کو حقارت سے نہ دیکھا بلکہ خط کے مندرجات کو توجّہ دی۔ آنکھ نے ہدہد کو دیکھا لیکن بلقیس کے باطنی حواس یعنی عقل خالص نے عنقا کو دیکھا۔ جیسے کہ گویا آنکھ نے جھاگ کو دیکھا لیکن دل نے سمندر کو دیکھا۔

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ حِس اور عقل خالص کا یہ دورنگی طلسم ہے۔ حِس کچھ اور دکھاتی ہے اور عقلِ خالص کچھ اور۔ حِس اور عقلِ خالص میں جنگ رہتی ہیں جسے محمدؐ اور ابوجہل کی آپس میں جنگ تھی۔ کافروں نے نبی پاکؐ کو محض انسان دیکھا۔ وہ آپ کے آسمانی درجات دیکھنے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے۔

تو حسی آنکھ پر خاک ڈال، حسی آنکھ عقل خالص اور مذہب کی دشمن ہے۔ اس نے جھاگ دیکھے ہیں، دریا نہیں دیکھے ہیں۔ یہ موجودہ حالت کو دیکھتی ہے انجام سے بے خبر رہتی ہے۔ اگر ایک مٹھی مٹی اطاعت گزار ہو اور ظاہری حواس سے بلند ہو جائے تو اس مٹی کے آگے آسمان بھی سر جھکاتے ہیں۔ ایک مٹی ایسی ہے جو اپنی کثافت کی وجہ سے پانی کے نیچے بیٹھ جاتی ہے اور دوسری اپنی لطافت کی وجہ سے عرش سے بھی اوپر چلی جاتی ہے۔ یہ لطافت آب و گل سے نہیں آتی بلکہ خالق کائنات کی عطا سے آتی ہے۔ اللہ کی عطا انسان کو چار عنصر والی پہلی غفلت سے نکال کر ایک نہ ختم ہونے والی زندگی عطا کرتی ہے۔ وہ آدمؑ کو آسمان پر جانے کا رستہ دیتا ہے۔ اور شیطان کو زمین کے نیچے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں ظاہری حواس سے آگے بڑھ کر باطنی حواس اور عقل خالص کی طرف بڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ عقل خالص انسان کے چیزوں کو دیکھنے کا زاویہ بدل دیتی ہے اور وہ حقائق کو جیسے وہ اصل میں ہیں ویسے دیکھتا ہے۔ یوں وہ زمین کی تنگنائیوں سے نکل کر آسمان کی بلندیوں میں داخل ہوتا ہے۔

7.12 آقا اور لُقمانؒ – عقل کی تکمیل ضروری ہے

حضرت لُقمانؒ ایک اچھے غلام تھے اور اپنے آقا کی خدمت میں مگن رہتے تھے۔ ان کا آقا ان کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز رکھتا۔ بظاہر تو لُقمانؒ غلام تھے لیکن چونکہ انہوں نے اپنی خواہش اور حرص کو غلام بنا رکھا تھا یوں وہ اپنی باطنی حقیقت میں ایک آقا تھے۔ اصل معاملہ اُلٹ ہے۔

اس دنیا میں بہت کچھ اُلٹا ہے۔ بادشاہ جب کسی اجنبی جگہ جاتا ہے تو وہ اپنے غلام کو شاہی لباس پہنا دیتا اور خود اس کے کپڑے پہن لیتا ہے تاکہ لوگ اس کو پہچان نہ سکیں۔ کیونکہ بادشاہ کی بادشاہی ایک حقیقت ہوتی ہے اور وہ اس بادشاہی سے سیر ہوتا ہے۔ اس لئے اسے اس عارضی غلامی سے کوئی خوف یا عار نہیں ہوتا۔ لوگ بادشاہ کو غلام اور غلام کو بادشاہ سمجھ رہے ہوتے ہیں جو کہ جزوی عقل کا تماشا ہے۔ کامل عقل رکھنے والے معاملے کو سمجھتے ہیں۔ حضرت لُقمانؒ کا آقا اس راز کو سمجھ چکا تھا لیکن مصلحت کی بنا پر اس بات کو چھپائے ہوئے تھا۔

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ رازوں کو چھپانا ضروری ہے۔ اور چیزوں کے جمع کرنے میں احتیاط ضروری ہے۔ اس دنیا کے تاجر کی کشتی نے ضرور ہچکولے کھانے ہیں۔ اس کو ڈوبنے سے بچانے کے لئے مناسب وقت پر فضول بوجھ کو اتار پھینکنا چاہیے اور قیمتی چیزوں کو ہی باقی رکھنا چاہیے۔

ایک دفع آقا کے پاس خربوزے تحفے میں آئے۔ آقا نے خربوزے سے ایک قاش کاٹی اور لُقمانؒ کو دی۔ حضرت لُقمانؒ نے اسے خوشی خوشی کھایا۔ آقا نے دوسری قاش دی وہ لُقمانؒ نے میٹھے اور خوش ذائقہ خربوزے کی طرح تناول فرمائی۔ حتیٰ کہ ایک آخری قاش بچ گئی جو آقا نے اپنے منہ میں ڈالی۔ خربوزے کی قاش میں منہ ڈالتے ہی آقا کا منہ اور گلہ

اس کی کڑواہٹ سے بھر گیا۔ اس نے اسے فوراً اُگل دیا اور حضرت لُقمانؒ سے کہا یہ خربوزہ تو انتہائی کڑوا اور بد ذائقہ تھا۔ لیکن تُو تَو اسے نہایت خوشی سے کھا رہا تھا۔

اس پر لُقمانؒ نے جواب دیا کہ جو آقا مجھے ہر روز خوش ذائقہ اور میٹھے کھانے دیتا ہے اگر آج اس نے مجھے کڑوا خربوزہ دیا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اس پر منہ بناتا۔ تیرا نعمتوں بھرا ہاتھ اگر مجھے کڑوا خربوزہ بھی دے تو وہ میرے لئے میٹھا ہو جاتا ہے۔ ایسے میں صبر اور شکر کا دامن کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ محبّت کی وجہ سے کڑوی چیزیں میٹھی ہو جاتی ہیں۔ تانبے سونا بن جاتے ہیں اور کانٹے پھول بن جاتے ہیں، آگ فردوس بن جاتی ہے، غم خوشی بن جاتا ہے اور قید خانہ چمن بن جاتا ہے۔ پھر محبّت بھی علم و دانش کا نتیجہ ہے کوئی بے وقوف اس تخت پر کب بیٹھ سکتا ہے۔ ناقص عقل کو رسول پاکؐ نے ملعون کہا ہے۔ فرعون اور ہر سرکش کافر کا کفر کرنا ناقص عقل کی وجہ سے تھا۔ عقل کی تکمیل ممکن ہے اگرچہ جسم کی تکمیل ممکن نہیں۔ جو عقل نفس سے مغلوب ہو وہ خود بھی نفس بن جاتی ہے۔ مشتری زحل سے مات کھا جائے تو منحوس ہو جاتا ہے۔ انسان اگر نحوست میں تفکّر کرے، اتار چڑھاؤ کو دیکھے تو وہ سعادت کی طرف رستہ بنا سکتا ہے۔ جب تک انسان بائیں طرف والی نحوست کا خوف نہ دیکھ لے وہ دائیں جانب والوں کے لطف کی فکر کیسے کر سکتا ہے۔ انسان کو ابراہیمؑ کی جان چاہیے تاکہ آگ میں گل و گلزار بنا سکے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ انسان کو عقل کی تکمیل کی ہدایت کرتے ہیں۔ ایسی عقل جو نفس کے زیر تابع نہ رہے۔ وہ عقل جو محض دنیاوی مشقّت اور شہوات کو پورا کرنے میں لگی رہے وہ عقل نہیں بلکہ نفس کا محض ایک دوسرا رُکن ہے۔ خالص عقل اور محبّت کا منطقی نتیجہ اپنی روح کے لئے وہ ابراہیمؑ والا ایمان پیدا کرنا ہے جو آگ میں گل و گلزار دیکھتا ہے۔

7.13 بچہ اور تابوت – دل اور سینے کی روشنی ضروری ہے

ایک بچہ اپنے باپ کے جنازے کے ساتھ روتا پیٹتا جارہا تھا۔ اے ابّا یہ لوگ تجھے کہاں لے جارہے ہیں۔ یہ تجھے اندھیرے گھر میں لے جارہے ہیں۔ تجھے مٹی کے نیچے دفن کر دیں گے۔ اس گھر میں نہ تو قالین ہے اور نہ ہی کوئی بستر۔ وہاں نہ کوئی چراغ ہے اور نہ ہی کھانا پینا۔ نہ اس کا دروازہ ہے، نہ چھت اور نہ ہی روشندان۔ نہ کوئی مہمان خانہ ہے اور نہ ہی پانی کا کنواں، نہ کوئی دوست اور نہ ہمسایہ۔ تیرے خوبصورت بدن کا اس سیاہ گھر میں کیا حال ہو گا۔ وہ اس طرح قبر کے اوصاف گنتا جاتا اور روتا جاتا۔

پچھلی ہلاک شدہ قومیں ایسی ہی صفات رکھتی تھیں۔ لیکن ہم ان سے غافل ہیں۔ ان کے دل کا خانہ بے نور تھا۔ ان کا سینہ یہود کے باطن کی طرح تنگ اور خدا کے ذوق سے محروم تھا۔ ان جیسے دل سے تو قبر بہتر ہے۔

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں اے انسان اپنے دل کی قبر سے باہر آ۔ تو زمانے کا یوسف ہے۔ اس کنویں سے باہر آ اور اپنا سورج کی طرح چمکتا چہرہ دکھا۔ تیرا یونس مچھلی کے پیٹ میں ہے اس کی نجات کے لئے تسبیح کرنا ہی واحد حل ہے۔

یہ دنیا سمندر ہے۔ جسم مچھلی اور روح وہ یونس ہے جو صبح کے نور سے محروم ہے۔ اگر تو تسبیح کرنے والا بن گیا تو تیرا یونس اس جسم کی مچھلی سے نجات پا جائے گا۔ ورنہ مچھلی میں ہضم اور ناپید ہو جائے گا۔

اس سمندر میں روحانی مچھلیاں بھی بہت ہیں۔ وہ گاہے بگاہے تجھ سے ٹکراتی ہیں لیکن تو اندھا ہے اور انہیں نہیں دیکھتا ہے۔ وہ مچھلیاں بغیر جسم کے مجسّم روح ہیں۔ وہ تکبّر، کینہ اور حسد سے مکمل پاک ہیں۔

دنیا پرست لوگوں کی تسبیح شہوات پرستی کے سوا کچھ نہیں۔ ان کا خیال انہیں مسلسل پستی کی طرف لے کر جاتا ہے۔ جبکہ اللہ کے بندوں کی تسبیح، کوشش، جدوجہد، ذوق و شوق اور صبر کرنا ہے۔ جو انہیں مسلسل بلندی کی طرف لے کر جاتی ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ انسان کو دل اور سینے کو روشن کرنے اور جدوجہد اور ذوق و شوق کو اپنی تسبیح بنانے کا سبق دیتے ہیں۔ تاریک دل اور تنگ سینہ قبر کی طرح ہیں اور یہ ہلاکت کی نشانی ہے۔

7.14 بیداری حواس – باطنی حواس کی بیداری نور پیدا کرتی ہے

اگر انسان کے حواس سے ایک حِس بھی باطنی طور پر بیدار ہو جائے تو باقی حواس بھی اس کی متابعت میں بیدار ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک حِس کو بھی نورِ غیبی حاصل ہو جائے تو پھر غیب ہر حِس پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ جب ریوڑ میں ایک بھیڑ نہر میں کود جائے تو باقی بھیڑیں بھی اس کے پیچھے نہر میں کود جاتی ہیں۔ انسان کو چاہیے کے اپنی بھیڑوں کو ہانک کر اس خاص چراگاہ تک لے جائے جو نورِ غیبی کا منبع ہے۔ تا کہ اس کے حواس کی بھیڑیں اس چراگاہ میں سنبل اور ریحان چریں اور حقیقتوں کے سبزہ زار کی طرف بڑھیں۔ جب ہر حِس تیری غلام ہوگئی تو آسمان کے لئے بھی ممکن نہیں کہ وہ تیرے لئے اجنبی ہو۔ دنیا چھلکے کی طرح اور آسمان مغز ہے۔ جو مغز کا مالک ہو گیا تو چھلکا بھی اسی کی ملکیت ہے۔

پھر اس کے بعد آسمان بھی چھلکے کی طرح اور روح کا نور مغز ہے۔ جسم ظاہر اور روح چھپی ہوئی ہے۔ پھر عقل خالص روح سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے۔ حِس روح کی طرف جلد راستہ طے کرتی ہے۔ لیکن حِس کا عقلمند ہونا ایک الگ معاملہ ہے۔ صرف حواس کی حرکت سے ان کا عقلمند ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ جب تانبے کو حرکت دے کر سونا بنا دیا جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ حرکت عقل پر مبنی تھی۔ پھر وحی اپنی استعداد میں عقل سے بھی زیادہ پوشیدہ اور اعلیٰ تر ہے۔ آپؐ کی عقل سے تو بہت سے لوگ واقف ہوئے لیکن وحی کے رموز کو سمجھنے والے کوئی کوئی ہی تھے۔ وحی کی استعداد کو عقل نہیں سمجھتی۔ جب حضرت موسیٰؑ کی عقل خضرؑ کے افعال تک نہ پہنچ سکی تو ایک عام انسان جس کی عقل انتہائی کم تر ہے وہ وحی کی استعداد کو کیا سمجھے گا۔

اللہ تعالیٰ بلاضرورت کسی کو کوئی چیز نہیں بخشتے۔ زمین کو اس لئے پیدا فرمایا کہ دنیا کو اسکی ضرورت تھی۔ زمین کی محتاجی کی وجہ سے پہاڑ پیدا کیے۔ آسمانوں کی احتیاج کی وجہ سے سات آسمان پیدا کیے، سورج اور چاند ستارے سب ضرورت کے تحت پیدا کیے۔

ضرورت کے بغیر کوئی چیز موجود نہیں ہوتی۔ اس لئے اے محتاج اپنی حاجت کو بڑھا تا کہ بخشش کا سمندر جوش مارے اور تجھے عطا ہو۔ تیری حِس کی بیداری، غیبی نور کا حاصل ہونا، تیری روح کا ترقّی کرنا، تجھے عقل خالص ملنا، تیرے اندر وحی کے رموز کو سمجھنے کا صلاحیت پیدا ہونا، یہ سب تب ہی وجود میں آئے گا جب تیرے اندر اسکی شدید طلب پیدا ہو گی۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ یہ سبق دیتے ہیں کہ انسان کے حواس کا پیدا ہونا، اس کو عینی نور حاصل ہونا، اسکی روح کا ترقّی کرنا اور اس میں وحی کو سمجھنے کی استعداد کا پیدا ہونا، یہ سب کچھ تب ہی ممکن ہے جب اس میں ان مقامات کو حاصل کرنے کی شدید طلب ہو اور وہ اس کے لئے جدوجہد کرے۔ ورنہ تمام زندگی محض چھلکے اکٹھے کرنے میں گزرے گی اور انسان حقائق یعنی مغز سے محروم رہے گا۔

7.15 شمع اور پروانہ – الفاظ سے معنی تک کا سفر ضروری ہے

شمع اور پروانے اور بُلبل اور پھول کے قصّے بھی اسی لئے ہیں کہ محض قصّہ گوئی تک نہیں رہنا چاہیے بلکہ ان سے سبق لینا چاہیے۔ کسی نے شطرنج کھیلتے ہوئے کہا کہ یہ اس مہرے کا گھر ہے۔ دوسرے نے کہا یہ گھر کہاں سے آگیا۔ یہ اس نے خریدا ہے یا میراث میں پایا ہے۔ اس نے کہا الفاظ کو چھوڑ معنی کو سمجھ۔

عربی گرامر پڑھاتے ہوئے استاد نے کہا زید نے عُمرو کو مارا۔ شاگرد نے کہا زید نے عمر کو بے قصور کیوں مارا۔ استاد نے کہا لفظ پیمانہ ہوتے ہیں جن کے اندر معنی ہوتا ہے۔ تو پیمانے کو چھوڑ بس معنی کو لے۔ زید اور عمرو اعراب کو پہچاننے کے لئے مثال ہیں۔ اگر یہ جھوٹ بھی ہے تو زید عمرو کو چھوڑ بس اعراب کو سمجھ۔ شاگرد نے کہا نہیں پھر بھی زید نے عمرو کو کیوں مارا۔ استاد نے کہا اصل میں عمر نے ایک واؤ چرالی تھی اس لئے زید نے اسے اس چوری پر مارا۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں الفاظ سے گذر کر معنی تک پہنچنے کا درس دیتے ہیں۔ کسی قصّے یا افسانے کے کرداروں سے گذر کر اس قصّے میں موجود مغز کو سمجھنے کا درس دیتے ہیں۔ کسی مثال کے کرداروں کا جھوٹ اور سچ پرکھنے کی بجائے اس مثال میں موجود حکمت کی طرف راغب ہونے کا کہتے ہیں۔

8 معرفت

ہیچ نامے بے حقیقت دیدہ ای
یاز گاف ولام گُل، گلِ چیدہ ای
اسم خواندی رو، مسمّٰی را بجُو
مہ بیالا داں نہ اندر آب جُو

کیا تو نے کبھی کوئی بے حقیقت دیکھا ہے
کیا محض گُل کے گاف اور لام سے پھول چنے جا سکتے ہیں
تو نے کبھی نام کو پڑھا ہے اب جا اور اس نام والے کو تلاش کر
چاند کو اوپر آسمان میں سمجھ، نہ کہ نیچے نہر میں

8.1 سارنگی نواز اور خدا – خدا اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے

ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ تو قبرستان کی طرف جا، وہاں ہمارا ایک خاص بندہ ہے۔ بیت المال سے پورے سات سو دینار لے اور ہمارے اس بندے کو بطور انعام پیش کر دے۔

حضرت عمرؓ اس ہیبت ناک آواز سے اٹھ کھڑے ہوئے فوراً مطلوبہ دینار لئے اور قبرستان کے آس پاس تلاش شروع کر دی۔ وہاں انہیں اس بوڑھے سارنگی نواز کے علاوہ کوئی نظر نہ آیا۔ ان کے دل میں آیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ ایک پاک صاف اور بابرکت آدمی ہے اس لئے یہ سارنگی نواز تو وہ بندہ نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے دوبارہ قبرستان کے گرد چکر لگایا لیکن انہیں کوئی اور آدمی وہاں نظر نہ آیا۔ پھر انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا اشارہ اسی بوڑھے کی طرف ہے کہ بہت سے روشن دل انسان اندھیروں میں ہی چھپے ہوتے ہیں اور یوں تمام آدمیوں کی نظر سے اوجھل ہوتے ہیں۔

عمرؓ اس بوڑھے سارنگی نواز کے پاس آئے اور نہایت ادب سے بیٹھ گئے۔ بوڑھا سویا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ کو چھینک آئی تو بوڑھا جاگ گیا۔ وہ عمرؓ کو دیکھ کر حیران ہو گیا۔ کانپنے لگا اور وہاں سے چل دینے کا ارادہ کیا۔ دل میں سوچا کہ اے خدا مجھ ناچیز سارنگی نواز کو یہ محتسب گرفتار کرنے آیا ہے۔ جب عمرؓ نے اس بوڑھے کے چہرے پر نظر کی تو دیکھا کہ اس کا چہرہ شرمندگی سے پیلا پڑ رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے انعام بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے چہرے کی تعریف کی ہے اور عمرؓ کو تیرے چہرے کا عاشق بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے سلام کہا ہے اور یہ پوچھا ہے کہ ان غموں اور تکلیفوں میں تمہارا کیا حال ہے۔ یہ لے اپنا انعام اور اس کو خوب خرچ کر۔

بوڑھے نے یہ سنا تو کانپ گیا اور رونا اور تڑپنا شروع کر دیا۔ کہ اے بے مثال خدا تو کتنا رحیم اور کریم ہے کہ تو نے بوڑھے سارنگی نواز کا ایسے خیال کیا۔ اس نے روتے روتے

اپنی سارنگی زمین پر دے ماری اور ریزہ ریزہ کر دی۔ بوڑھا بولا اے سارنگی تو ہی خدا سے ملنے میں میرا پردہ تھی۔ اے سارنگی تو نے ستر سال تک میرا خون پیا۔ اے خدا تو عطا والا اور وفا والا ہے اس زندگی پر رحم کر جو ظلم میں بسر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے جو زندگی دی ہے اس کا ایک ایک دن نہایت قیمتی ہے۔ لیکن میں نے یہ ساری عمر سارنگی کے مختلف سُر بجانے میں گزار دی (یعنی محض مادی منقبعت کے مختلف اٹکل پچو سے کھیلتا رہا) وہ بوڑھا رو رو کر چلاّ چِلاّ کر اپنے سالہا سال کے گناہ گن رہا تھا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا تیرا یہ رونا بھی تیری ہشیاری کی علامت ہے، پھر حضرت عمرؓ نے اس کو اس حالت سے نکال کر استغراق کی حالت میں منتقل کر دیا۔ ماضی اور مستقبل کی یاد بھی خدا سے پردہ پیدا کرتی ہے۔ یہ رونا دھونا دراصل ماضی کی یاد ہے۔ یوں ماضی اور مستقبل دونوں دراصل ماضی کی یاد ہے۔ اس لئے دونوں کو بھلانا ضروری ہے۔ جب تک نڑ کے اندر کے پردے توڑے نہ جائیں وہ بانسری نہیں بنتی اور اس میں وہ دوست کی آواز نہیں آتی۔ فنا ہو جانے والے کا راستہ ایک دوسرا ہی راستہ ہے اور یوں ہشیاری اور زیر کی بھی اس رستے میں ایک رکاوٹ ہے۔ جب عمرؓ اس کے سامنے اسرار کا آئینہ بن گئے تو اس بوڑھے کی روح اس کے باطن سے بیدار ہو گئی۔ وہ بوڑھا رونے اور ہنسنے سے آزاد ہو گیا۔ اس کے اندر ایک ایسی حیرت پیدا ہوئی جس سے وہ زمین اور آسمان سے باہر ہو گیا۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں خدا کی اپنے بندے سے محبّت کے بارے میں سبق دیتے ہیں۔ خدا اپنے بندے پر ہر حالت میں رحم کرتا ہے۔ ایسے میں عاجزی اور رونا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے جو درمیان کے حجاب کو توڑ کر انسان کو خدا کے تقرّب میں لے آتا ہے۔

8.2 موسیٰؑ و فرعون ـ جزو میں اختلاف ہے کل میں نہیں

موسیٰؑ اور فرعون دراصل ایک ہی حقیقت کے تابع ہیں اگرچہ ظاہری طور پر موسیٰؑ ایک راہ پر ہے اور فرعون دوسری راہ پر۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام دن رات اللہ تعالیٰ کے سامنے روتے تھے۔ ایسے ہی آدھی رات کو فرعون بھی رویا کرتا کہ یا اللہ میری گردن میں نا فرمانی کا یہ طوق کیوں ہے۔ اس طوق کی وجہ سے ہی مجھ میں یہ "انا" ہے۔

جس ہستی نے موسیٰؑ کو چاند کی طرح خوبصورت کر دیا ہے اسی ہستی نے مجھ فرعون کی جان کے چاند کو مجھ سے دور کر دیا ہے۔ ہم ایک ہی بادشاہ کے بندے ہیں لیکن قدرت کا کلہاڑا ایک شاخ میں شگاف ڈال کر چھوڑ دیتا ہے جبکہ دوسری شاخ میں شگاف ڈال کر پیوند لگاتا ہے۔ یوں ایک شاخ بار آور ہو جاتی ہے جبکہ دوسری شاخ بے کار ہو جاتی ہے۔ کسی شاخ کو کلہاڑے پر قابو نہیں۔ اے خدایا اپنی اس قدرت کے طفیل جو کلہاڑے کی طرح ہے ہم پر کرم کر اور یہ جو ہمارے نفوس کا ٹیڑھا پن ہے اسے سیدھا کر دے (آمین)۔

فرعون اپنے دل میں کہتا ہے کہ میں تمام رات اپنے رب کو یاد کرتا ہوں، تنہائی میں معتدل اور نرم ہوتا ہوں لیکن جب موسیٰؑ کے سامنے آتا ہوں تو بالکل بدل جاتا ہوں۔ ایسے ہی جیسے کھوٹا سکّہ بنایا تو کافی خوبصورت جاتا ہے لیکن جب چیک کرنے کے لئے اسے آگ میں ڈالتے ہیں تو وہ اصلی نہ ہونے کے سبب کالا ہو جاتا ہے۔

ایک لمحے میں ہمیں چاند سا بنا دینا اور دوسرے ہی لمحے کالا کر دینا یہ فقط خدا کا ہی کام ہو سکتا ہے جو وہ کہے فصل بن جا تو میں سبز ہو جاؤں اور جب وہ کہے بد صورت بن جا تو میں پیلا زرد بن جاؤں۔ کن مکان کے بلے کے آگے ہم مکان اور لا مکان میں دوڑ رہے ہیں۔ جب کوئی بے رنگ کسی رنگ کا پابند ہو جاتا ہے تو ایک موسیٰؑ کا دوسرے موسیٰؑ سے اختلاف ہو جاتا ہے۔ جب تو اس بے رنگی میں جائے جو تو رنگ میں آنے سے پہلے رکھتا تھا۔ تو تجھے معلوم ہو گا کہ موسیٰؑ اور فرعون میں باہم صلح نظر آئے گی۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں اس بات کی تعلیم دیتے ہیں کہ تمام مخلوقات کی اصل ایک ہے اور اپنی اصل سے دوری ہی اختلاف پیدا کرتی ہے۔ ایسے میں انسان کو خیر کے گروہ کے ساتھ کھڑے ہونے پر شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل نے اسے شَر کے گروہ سے دور کیا۔

8.3 سخی اور فقیر – سخی اللہ تعالیٰ کے تقرّب میں ہے

سخاوت، سخی کو تلاش کرتی ہے، جیسے توبہ، توبہ کرنے والے کو تلاش کرتی ہے۔ سخاوت فقیروں اور کمزوروں کو تلاش کرتی ہے۔ جیسے کوئی خوبصورت چہرہ آئینے کو تلاش کرتا ہے۔ جس طرح خوبصورت آدمی کا چہرہ آئینے میں نظر آیا ہے ایسے ہی سخاوت اور احسان کو کسی غریب اور فقیر کے آئینے میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے سورہ والضحیٰ میں فرمایا، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی فقیر کو نہ جھڑک، غرباء اللہ تعالیٰ کی سخاوت کا آئینہ ہیں اور یوں جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہیں جو مجّسم سخاوت ہیں اور جو لوگ نہ سخی ہیں اور نہ فقیر، وہ محض مُردہ ہیں۔

پھر اگلے درجے میں فقیر وہ ہے جو خدا کا پیاسا ہے۔ جو غیر کا پیاسا ہے وہ فقیر نہیں بلکہ وہ صرف فقیر کی تصویر ہے روٹی کا فقیر خشکی کی جھلی کی طرح ہے جو صرف جھلی کی شکل ہے اسے دریا سے کوئی تعلق نہیں۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ سخاوت بہت بڑا وصف ہے اور جو سخی ہیں وہ اس وصف کی طرف کھچے چلے آتے ہیں۔ جو اللہ کے خاص بندے ہیں وہ مجّسم سخی ہیں۔ اعلیٰ فقیر، معرفت کا پیاسا اور سب سے اعلیٰ سخی معرفت کے جام پلانے والا ہے۔

8.4 حضرت علیؓ کو نصیحت – اسرار الٰہی کی معرفت محض عبادت سے افضل ہے

نبی پاکؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ جب لوگ اللہ تعالیٰ کا تقرّب مختلف نیکیوں کے ذریعے حاصل کرنے کی کوشش کریں تو تم عقل اور اسرار الٰہی کے علم کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھو۔ وہ اس لئے کہ ایسا کرنے سے تم اونچے درجے میں چلے جاؤ گے۔ دنیا میں لوگوں کے نزدیک اور آخرت میں اللہ کے نزدیک۔

تم اللہ کے شیر ہو، بہادر ہو، دلیر ہو لیکن تم شیری پر بھروسہ نہ کرو بلکہ امید کے درخت کے سائے میں آجاؤ۔ اگر لوگ اپنی عبادت پیش کریں تو تم اپنی عقل اور محبت کے ذریعے سے اللہ کا تقرّب حاصل کرو۔

اے انسان ہر شخص ایک اطاعت کی پناہ لے رہا ہے اور اپنے لئے نجات کی راہ نکال رہا ہے۔ تو کسی عقلمند کی پیروی کر تا کہ چھپ کر لڑنے والے دشمن سے بچ جائے۔ جب کسی کو اپنا رہنما بنالے تو اس پر صبر کر، خضر کے کام پر صبر کرنا چاہیے تا کہ خضر کہیں یہ نہ کہہ دے کہ تیری اور میری راہ جدا ہے۔ ایسا کم ہی ہوتا کہ کسی نے یہ رستہ تنہا ہی طے کیا ہو اس لئے کسی دانا استاد کی پیروی میں ہی یہ تقرّب الٰہی کا سفر طے کرنا چاہیے۔

خلاصہ

اس حکایت میں نبی پاکؐ حضرت علیؓ کو علم اور معرفت حاصل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ علم اور معرفت باقی عبادات سے بڑھ کر انسان کو خدا کے قریب لے جاتے ہیں۔

8.5 رومی اور چینی – دل کی صفائی معرفت کا دروازہ ہے

چینیوں نے کہا ہم نقش و نگار میں ماہر ہیں، رومیوں نے کہا کہ ہم بھی اس فن میں مہارت رکھتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ ان دونوں کا مقابلہ کرواتے ہیں۔ چنانچہ دونوں کو ایک ایک دیوار آمنے سامنے دی گئی لیکن درمیان میں پردہ ڈال دیا گیا۔ چینیوں نے بادشاہ سے طرح طرح کے رنگوں اور اوزاروں کا مطالبہ کیا لیکن رومیوں نے کہا انہیں کسی رنگ کی ضرورت نہیں۔

وقت مقررہ تک چینیوں نے اپنی دیوار پر خوب نقش و نگار بنائے لیکن رومیوں نے دن رات لگا کر اپنی دیوار کو صیقل کیا کہ وہ آئینے کی طرح شفاف ہو گئی۔ بادشاہ آیا اس نے چینیوں کی دیوار کے نقوش دیکھے پھر وہ رومیوں کی طرف آیا اور جب درمیان سے پردہ ہٹایا گیا تو چینیوں کے وہ نقش و نگار رومیوں کی دیوار پر خوبصورت عکس کی طرح نظر آئے۔ یہ عکس بادشاہ کو زیادہ مسحور کن نظر آیا۔

اے برادر یہ دیوار کو آئینے کی طرح صاف کرنے والے صوفی لوگ ہیں آئینے کی صفائی ان کے دل کی صفت ہے اور یہ صفت لا انتہاء صورتوں کو قبول کرنے والی ہے۔ دل کے آئینے کی کوئی حد نہیں ہے۔ عقل اس جگہ خاموش ہے یا گمراہ کرنے والی ہے۔ صوفیوں نے اپنے سینوں کو مانج لیا ہے۔ بخل، حرص اور کینہ سے پاک کر لیا ہے۔ ان کو ذوق، فکر، نظر اور روشنی حاصل ہو گئی ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں دل کے آئینے کو صاف کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ جب یہ آئینہ صاف ہو جاتا ہے تو اس پر اسرار الٰہی کے عکوس خود بخود ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

8.6 زید بن حارثؓ - بندے کا اپنا حجاب ربّ سے ممانع ہے

ایک صبح نبی پاکؐ نے حضرت زیدؓ سے پوچھا کہ تو نے آج صبح کس حالت میں کی۔ انہوں نے کہا ایمان کی حالت میں، انہوں نے کہا میں روزہ کی وجہ سے کئی دنوں پیاسا رہا اور عشق و سوز کی وجہ سے راتوں سویا نہیں۔

جنّتیں اور دوزخیں میرے سامنے ایسے نمایاں ہیں جیسے کسی پجاری کے سامنے بُت پڑے ہوں۔ جنتی کون ہے اور دوزخی کون ہے یہ سامنے ایسے نمایاں ہیں جیسے گندم اور جَو۔ میری آنکھوں کے سامنے جنتی خوش ہیں ایک دوسرے سے گلے مل رہے ہیں اور دوزخی دوزخ میں جل رہے ہیں۔ نبی پاکؐ نے فرمایا تیرا آئینہ غلاف سے باہر آ گیا ہے۔

اگر کوئی اپنی آنکھ پر انگلی رکھ دے تو دنیا کو سورج سے خالی پائے گا۔ انگلی کا ایک پوٹا چاند کو چھپا دیتا ہے۔ ایسے لوگ جن کی آنکھوں کے سامنے بے شمار انگلیاں ہیں یقیناً نہ وہ خدا کو دیکھ سکتے اور نہ اس کی جنّتوں اور دوزخوں کو۔ لیکن اللہ کے برگزیدہ بندے جن کے دل کے آئینے عبادت، ریاضت اور تزکیے سے صاف ہیں ان پر سب عیاں ہے۔

خلاصہ

اس مضمون میں حضرت مولانا رومیؒ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ایمان، عشق اور سوز آدمی کو اس مقام پر پہنچا دیتے ہیں کہ وہ غیب کو دیکھنے والا بن جاتا ہے۔ دوسری طرف کفر، غفلت اور مادی زندگی وہ انگلیاں بن جاتی ہیں جنہوں نے آنکھ کو ڈھانپ رکھا ہوتا ہے اور سامنے چمکنے والا سورج بھی نظر نہیں آتا۔

8.7 حضرت لقمانؑ - اللہ تعالیٰ کی ذات سب سے دانا ہے

حضرت لقمانؑ اپنے آقا کے سامنے باقی غلاموں سے کم درجے کے تھے۔ ان کے آقا نے غلاموں کو باغ سے میوے لانے کے لئے کہا۔ وہ باغ میں گئے اور خوب میوے کھائے اور کچھ آقا کے لئے بھی لے آئے۔ آکر انہوں نے شکایت کی کہ لقمانؑ نے آقا کے لئے لائے میووں میں سے بہت سے میوے کھا لئے ہیں۔ آقا کو غصّہ آیا اور لقمانؑ سے پوچھا کہ ایسا کیوں کیا۔ حضرت لقمانؑ نے کہا اے میرے آقا تو ہم سب کو گرم پانی پلا اور جنگل میں لے جا کر دوڑا اور خود پیچھے گھوڑے پر آ، تجھے خود ہی پتا چل جائے گا کہ میوے کس نے کھائے ہیں۔ آقا نے ایسا ہی کیا۔ گرم پانی پی کر ڈورنے سے ان سب کو قے آئی اور یوں آقا کو پتا چل گیا کہ لقمانؑ کی قے میں فقط پانی تھا جبکہ باقی غلاموں کی قے سے میوے نکلے۔

حضرت لقمانؑ کی دانائی کرشمہ دکھا سکتی ہے تو رب تعالیٰ کی حکمت کیا ہو گی۔ وہ ہم سب کی اصلیت اور کردار کو خوب جانتا ہے۔ کافر کو آگ کی سزا اس لئے ہے کہ پتھر کی آزمائش آگ سے ہی ہوتی ہے۔ ان کے دل پتھر کے ہیں کہ ان پر کوئی نصیحت اثر نہیں کرتی۔ خبیثوں کے لئے خبیث جوڑے ہی ہیں۔ بُرے کا جوڑا برا ہی ہے۔ پس اے انسان تو جو مرضی چاہے جوڑا بنا لے، جس رستے پر چلنا چاہے چل۔ تو پہچان لیا جائے گا اور تیرا ویسا ہی انجام کیا جائے گا۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات انتہائی باریک بین ہے۔ وہ اچھے اور برے کو خوب پہچانتی ہے اور جیسے ہم ہیں ویسے ہی ہمارا انجام بھی ہو گا۔

8.8 سپیرے کا سانپ – دعا قبول نہ ہونے کی حکمت

ایک چور نے ایک سپیرے کا سانپ اس کی پٹاری سمیت چوری کر لیا۔ چور کا خیال تھا کہ اس پٹاری میں کچھ خاص خزانہ ہے۔

سپیرا دعا کرتا رہا کہ کاش وہ اس چور کو پکڑ لے اور اپنا سانپ واپس لے لے۔ لیکن اس کی دعا قبول نہ ہوئی۔

کچھ دنوں بعد ایک شخص کو اس کے پاس لایا گیا جس کو سانپ نے ڈس لیا تھا اور وہ قریب المرگ تھا۔ اس شخص کو دیکھ کر سپیرے کو فوراً پتا لگ گیا کہ اسے اس کے سانپ نے ہی ڈسا ہے اور یہی شخص چور تھا۔

اللہ تعالٰی کی مصلحت یہی تھی کہ یہ چور اس سانپ سے ڈسا جائے اس لئے اس نے سپیرے کی سانپ کی واپسی کی دعا قبول نہ کی۔ سپیرے نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کی دعا رد ہوئی اور وہ سانپ کے ڈسنے سے بچ گیا اور چور اس سانپ سے ڈسا گیا۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ ہماری دعاؤں کے قبول نہ ہونے میں کئی حکمتیں اور منفعتیں ہوتی ہیں جنہیں ہمارا ربّ ہی جانتا ہے۔

8.9 حلوے کا تھال - توکّل اور عجز ثمر آفریں ہیں

ایک شیخ اپنی سخاوت کی وجہ سے اکثر مقروض رہتے تھے۔ وہ مالداروں سے قرضے لیتے اور غریبوں مسکینوں پر خرچ کر دیتے۔ انہوں نے اپنی خانقاہ کی تعمیر میں اپنا گھر بار بھی فروخت کر دیا۔ اللہ تعالٰی ان کا قرض کسی نہ کسی ذریعے سے اتارنے کا سبب کر دیتا۔

نبی پاکؐ نے فرمایا کہ بازاروں میں دو فرشتے دل سے دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ خرچ کرنے والے کو اور دے اور بخیلوں کو ہلاکت دے۔ اللہ تعالٰی مال خرچ کرنے والے کو بڑھا چڑھا کر مال عطا کرتا ہے۔ اور اللہ کے رستے میں گلہ (گردن) دینے والے کو یعنی جان دینے والے کو کئی جانیں عطا کرتا ہے، اسی لئے شہید ہمیشہ زندہ اور خوش و خرم رہتے ہیں۔

جب ان کی آخری عمر آگئی اور بستر مرگ پر پڑے تھے تو قرض خواہوں کی کثیر تعداد ان کے بستر کے گرد بیٹھے اپنے اپنے قرض کا مطالبہ کر رہے تھے۔ وہ ناامید اور ناراض تھے کہ اگر شیخ وفات پا گئے تو ان کا قرض کیسے وصول ہو گا۔ شیخ نے فرمایا کہ ان بدگمانوں کو دیکھو، کیا اللہ تعالٰی کے پاس چار سو دینار بھی نہیں ہیں جو ان قرض خواہوں کا کل مطالبہ ہے۔

اتنے میں باہر سے ایک حلوہ بیچنے والے بچے نے آواز لگائی کہ بادام کا خوشبودار حلوہ لے لو۔ شیخ نے اپنے خادم کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ لڑکے سے سارا حلوہ خرید لو۔ خادم نے آدھے دینار میں سارے تھال کا سودا کیا اور تھال اٹھا کر اندر لے آیا۔ شیخ نے وہ حلوہ سارے قرض خواہوں کو پیش کیا۔

سب نے خوب پیٹ بھر کر حلوہ کھایا۔ جب تھال خالی ہو گیا تو اس حلوہ فروش لڑکے نے اپنے آدھے دینار کا مطالبہ کیا۔ خادم نے شیخ کی طرف سے بتایا کہ ہمارے پاس تو ابھی پیسے نہیں ہیں۔ ایسے میں لڑکے نے چِلّانا شروع کر دیا کہ ہائے میں تو مارا گیا۔ میرا استاد مجھے بہت مارے گا کہ سارا حلوہ بغیر پیسے لئے ضائع کر دیا۔ اس پر باقی قرض خواہ بھی چمگوئیاں کرنے لگ گئے کہ پیسے نہیں تھے تو حلوہ کیوں خریدا۔ البتہ شیخ اس تمام شور سے الگ

تھلگ بالکل خاموش اور پر سکون تھے اور ان کی نظر اللہ تعالیٰ کے خزانوں کی طرف تھی۔ ایسے ہی جیسے آسمان پر چمکتا چاند زمین پر بھونکنے والے کتوں کی آواز سے بالکل بے نیاز ہوتا ہے۔

تھوڑی دیر بعد باہر دروازے پر دستک ہوئی اور ایک امیر آدمی کا خادم شیخ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ہدیہ کے طور پر ایک تھال لایا جس پر کپڑا پڑا تھا۔ شیخ نے وہ ہدیہ قبول کیا۔ خادم نے جب کپڑا اٹھایا تو اس میں چار سو دینار پڑے تھے۔ ساتھ ہی ایک کاغذ میں آدھا دینار بھی لپٹا ہوا تھا۔ یوں تمام قرض خواہوں اور حلوہ فروش لڑکے کو اپنی رقم وصول ہو گئی۔ یہ دیکھ کر تمام قرض خواہ حیران رہ گئے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ وہ سب گڑگڑائے کے اے شیخ ہمیں معاف کر دیجئیے ہم نے خواہ مخواہ آپ کے ساتھ جھگڑا کیا۔ ہم آپ کے راز سے واقف نہیں تھے۔

شیخ نے کہا میں نے وہ تمام لڑائی جھگڑا تمہیں معاف کر دیا ہے۔ اور سارے معاملے میں راز یہ تھا کہ جب تک وہ حلوہ فروش بچہ رویا نہیں اللہ کی رحمت نے جوش نہیں مارا۔ اے بھائی وہ حلوہ فروش بچہ تمہاری آنکھ ہے۔ جب تک آنکھ کا بچہ روتا نہیں تب رحمت الٰہی کو جوش نہیں آتا۔ ہمارا مقصد دل کے رونے پر موقوف ہے۔ گڑگڑائے بغیر ہماری کامیابی مشکل ہے۔ اگر تو چاہتا ہے کہ تیری مشکلات حل ہو جائیں اور تیری محرومی کے کانٹے پھول بن جائیں تو پھر تو آنکھ کے بچے کو جسم کی ضرورت پر رُلا دے۔ یعنی رو کر عاجزی کے ساتھ اپنے رب سے اپنی ضروریات طلب کر۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہمیں خرچ کرنے، توکّل کرنے اور اللہ تعالیٰ کے حضور رونے اور عجز اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ہمارے رونے اور عجز اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سمندر جوش میں آتا ہے اور ہمارے اوپر نوازشات کی بارش ہوتی ہے۔

8.10 رونے والی آنکھ – روحانی حقیقت سب کچھ عطا کرتی ہے

ایک عبادت گزار آدمی سے اس کے دوست نے کہا اللہ کی یاد میں کم رویا کر کہیں تمہاری آنکھیں ہی ضائع نہ ہو جائیں۔ عبادت گزار آدمی نے اپنے دوست سے کہا کہ دو ہی صورتیں ہیں یا آنکھیں اس حسن کو دیکھیں گی یا نہیں دیکھیں گی۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے نور کو دیکھ لیں تو پھر یہ دو آنکھیں بہت کم ہیں کہ اس کے وصال میں روئیں۔ کیونکہ اس وصال پر رونے کے لئے ہزاروں آنکھوں کا رونا بھی کافی نہیں۔ جو آنکھیں اللہ تعالیٰ کا نور اور روشنی نہ دیکھ سکیں ان آنکھوں کو اندھا ہی ہو جانا چاہیے۔

اگر عیسیٰؑ تیرے پاس ہے تو آنکھوں کی فکر نہ کر۔ سیدھا چل تاکہ وہ تجھے پہلے سے اچھی آنکھیں بخش دے تیری روح کا عیسیٰؑ (خدا) تیرے پاس موجود ہے تو اس سے مدد مانگ وہ اچھا مددگار ہے۔ تو اپنے عیسیٰ سے محض جسم کی ہڈیوں کا زندہ کرنا نہ مانگ۔ اپنے عیسیٰؑ سے محض جسم کی زندگی کا طالب نہ بن، اپنے موسیٰؑ سے فرعونی مقصد کی طلب نہ کر۔ اپنے دل پر معاش کی فکر کم کر۔ جب تک تو دربار میں حاضر ہے معاش ملتی رہے گی۔ یہ جسم روح کا خیمہ ہے۔ سپاہی جب دربار کا ملازم ہوتا ہے اسے خیمہ مل ہی جاتا ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ انسان کو جسم سے آگے بڑھ کر روحانی زندگی کی طرف بڑھنے کا سبق دیتے ہیں۔ اگر انسان اپنی روحانی حقیقت کو پالے تو یہ جسم اور جسمانی نعمتیں تو اسے بہرحال حاصل ہو ہی جاتی ہیں۔

8.11 اُلّو اور باز – کبھی کبھی عام لوگوں سے زچ ہونا پڑتا ہے

ایک باز راستہ بھول کر ویرانے میں اُلّووں میں جا گرا۔ اگرچہ وہ بادشاہ کا محبوب باز تھا اور بادشاہ کی رضا کے نور سے سراپا نور تھا لیکن تقدیر کے سپاہی نے اس کی آنکھوں میں دھول جھونک دی اور اسے اُلّوؤں کے پاس ویرانے میں دھکیل دیا۔

اُلّو اس کے سر پر ٹھونگیں مارتے اور اس کے بال و پر اکھاڑتے تھے۔ اُلّووں نے آواز لگائی خبردار ایک باز آیا ہے جو ہمارے ٹھکانوں پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ باز نے کہا مجھے اُلّوؤں سے کیا کام، میں جس جگہ سے آیا ہوں اس کا اُلّوؤں کے ایسے سینکڑوں ٹھکانوں سے بھی کوئی موازنہ نہیں۔ میں اس جگہ نہیں رہنا چاہتا۔ میں شاہ کی طرف واپس جانا چاہتا ہوں۔

ایک اُلّو نے کہا تو مکاری کرتا ہے تاکہ تو ہمارے گھروں پر قبضہ کر لے اور ہمارے گھونسلوں کو اجاڑ دے۔ تو بادشاہ اور بادشاہ کی کلائی کی ڈینگیں مارتا ہے تاکہ ہم بھولے بھالے اُلّوؤں کو گمراہ کر دے۔ اس اُلّو نے باقی اُلّوؤں سے کہا، یہ ایک ذلیل پرندہ ہے۔ اس کی بادشاہ کی جنس سے کیا مناسبت ہو سکتی ہے۔ یہ بادشاہ یا وزیر کے لائق کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا لہسن کی بادام کے حلوے سے کوئی نسبت ہے۔ ایک چھوٹا سا اُلّو بھی جس کے سر پر ٹھونگیں مار سکتا ہو، وہ کیا بادشاہ کا محبوب ہو گا۔

باز نے کہا اگر تم میرا ایک پر بھی توڑ و یا غصّے سے ایک پھول بھی میرے سر پر مارو تو بادشاہ تمہارے ٹھکانوں کو تباہ کر دے گا۔ اس کی مہربانیاں میری نگہبان ہیں۔ میں جہاں جاتا ہوں بادشاہ میرے پیچھے ہوتا ہے۔

میں باز ہوں میرے معاملے میں ملائک بھی حیران ہوتے ہیں۔ اُلّو کیا ہو تا کہ میرے راز کو سمجھے۔ بادشاہ نے تھوڑی دیر کے لئے مجھے اُلّوؤں کا ساتھی بنایا تاکہ میرے دم بدم سے تم جو اُلّو ہو باز بن جاؤ۔ میں اگرچہ بادشاہ کا ہم جنس نہیں ہوں لیکن اپنی تجلّی میں اس کا نور رکھتا ہوں۔ ہم جنس ہونا صرف صورت اور ذات سے ہی نہیں ہوتا۔ پانی مٹّی کی جنس ہو

کر زمین کی پیداوار بنتا ہے۔ ہوا آگ کی جنس میں شامل ہو کر شعلہ کی شکل اختیار کرتی ہے۔ ہماری جنس شاہ کی جنس نہیں ہے۔ لیکن ہماری جنس اس کی ہستی میں فنا ہو گئی ہے۔ بہت سے لوگوں کو صورت نے گمراہ کیا ہے۔ انہوں نے صورت کو ستانے کا ارادہ کیا اور یوں اللہ پر حملہ کر دیا۔ روح اگرچہ جسم کے ساتھ ملی ہوئی لیکن بدن کے مشابہ تو نہیں۔ آنکھ کا نور آنکھ کی چربی کی جنس سے نہیں۔ نہ ہی سر کے اندر موجود عقل مغز سے مشابہت رکھتی ہے۔ ایسے ہی ہماری جنس خدا کی جنس سے الگ ہے لیکن ہمارا اس ہستی سے ایک تعلق ہے اور اس تعلق کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔

روح کُلّی نے انفرادی روح پر اثر ڈالا اور انفرادی روح نے اس سے موتی لے کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔ حضرت مریمؑ کی طرح ہماری روح اس حبیب کے موتی کے اثر سے حاملہ ہو گئی۔ جب روح، روح الارواح سے حاملہ ہو گئی تو ایسی روح سے جہان روشن ہو جاتا ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ ہماری ارواح کے اللہ تعالیٰ سے تعلق کو بیان کرتے ہیں کہ اگرچہ ہم خدا کی جنس سے نہیں لیکن ہمارا اس ہستی سے ایک گہرا تعلق ہے۔ اس حکایت میں دوسرا سبق اہل اللہ کے عام لوگوں کے ہاتھوں زچ ہونے سے متعلق ہے کہ عام لوگ اہل اللہ کے مراتب کو نہیں سمجھتے اور انہیں تکلیفیں پہنچاتے ہیں۔ یہ امر بھی تقدیر کے قاضی کی مشیّت سے ہے اور ایسے میں بہر حال عام لوگوں کو بالآخر اہل اللہ سے کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

8.12 ذوالنون مصریؒ - آزمائش کے مراحل سے بھی گزرنا پڑتا ہے

حضرت ذوالنون مصریؒ پر تقرّب الٰہی کے انوار سے جنون جیسی کیفیت طاری تھی۔ جب لوگ ان سے ملنے آتے تو وہ ان پر چیختے کہ تم کون ہو، بھاگ جاؤ۔ انہوں نے کہا ہم دوستوں میں سے ہیں اور دل و جان سے آپ کا پوچھنے آئے ہیں آپ پر یہ کیفیت کیسی ہے۔ آپ کی عقل پر جنون کا یہ سایہ کیونکر آ سکتا ہے۔ آپ تو عقل کا دریا ہیں۔ آپ ہمیں یہ راز بتا دیجئیے۔ ہم سے راز نہ چھپایئے ہم سچے دوست ہیں۔

جب آپ نے ان کی یہ بات سنی تو ان کی آزمائش کرنے کی خاطر انہیں خوب برا بھلا کہا۔ ان پر لپکے، انہیں پتھر اور لاٹھیاں ماریں۔ اس مار پیٹ سے سب بھاگ گئے۔ اس پر آپ نے قہقہہ لگایا اور کہا کہ ان دوستوں کو دیکھو، ان میں دوستی کی علامت کہاں ہے۔ دوست کے ستانے سے دوست کب بھاگتا ہے اگر کوئی دوست ہوتا ہے تو کھڑا رہتا ہے۔ تکلیف برداشت کرتا ہے اور وفاداری نبھاتا ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالٰی سے محبّت کا دعوٰی کرنے والے کو آزمائش کے مراحل سے بخوبی گذرنا پڑتا ہے تب جا کر اس دوستی کے دعوے کو استجاب حاصل ہوتا ہے۔

8.13 موسیٰؑ اور چرواہا – اصل چیز خلوص، محبّت، سوز اور عشق ہے

حضرت موسیٰؑ نے ایک چرواہے کو دیکھا جو اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے اس طرح کی باتیں کر رہا تھا کہ تو کہاں ہے میں تیرا نوکر بنوں۔ تیرے جوتے گانٹھوں اور تیرے سر میں کنگھی کروں۔ تیرے کپڑے سِیوں، تیرے کپڑے دھوؤں، تیری جوئیں ماروں، تجھے دودھ پیش کروں۔ تو بیمار ہو تو تیری تیمار داری کروں، تیرے پیارے پیارے ہاتھ چوموں اور نازک پیر دباؤں اور سوتے وقت تیرا بستر صاف کر کے بچھاؤں۔

اے خدا تجھ پر میری جان قربان، میری اولاد اور گھر بار سب کچھ قربان۔ اگر مجھے تیرے گھر کا پتہ مل جائے تو میں صبح و شام تیرے لئے دودھ اور گھی لاؤں۔ پنیر اور نان لاؤں، صبح و شام تازہ دہی لے کر آؤں۔ میں صبح و شام تیرے لئے چیزیں بناتا اور لاتا رہوں اور تو کھاتا رہے۔ اے خدا تجھ پر میری ساری بکریاں قربان۔

وہ چرواہا اس طرح کی بے ہودہ باتیں کر رہا تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے سنا تو پوچھا کہ اے فلاں تو کس سے مخاطب ہے۔ چرواہے نے کہا میں اس سے مخاطب ہوں جس نے ہمیں پیدا کیا ہے اور زمین اور آسمان کو پیدا کیا ہے۔ اس پر حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ تو پاگل ہو گیا ہے۔ تو مسلمان نہیں بلکہ کافر ہو گیا ہے۔ تیری بے ہودہ گفتگو جہان کو گندہ کر رہی ہے۔ یہ کھانا کپڑے وغیرہ تیرے لئے مناسب ہے، خالق کائنات کو ایسی چیزوں کی حاجت نہیں۔ اگر تو اپنا منہ بند نہیں کرے گا تو ایک آگ آئے گی اور اس جہان کو جلا دے گی۔ بے وقوف کی دوستی دشمنی جیسی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس طرح کی خدمت سے بے نیاز ہے۔ اس پر چرواہا بہت پریشان اور نادم ہوا۔ اس نے گرم آہ لی اپنے کپڑے پھاڑے اور جنگل کی طرف چل دیا۔

اللہ تعالٰی کی طرف سے حضرت موسٰیؑ پر وحی نازل ہوئی۔ اے موسٰیؑ تونے ہم سے ہمارے بندے کو جدا کر دیا۔ تُو تو مِلانے کے لئے آیا ہے نہ کہ جدا کرنے کے لئے۔ ہم نے ہر شخص کی ایک طبیعت بنائی ہے اور ہر شخص کو بات کرنے کی ایک صلاحیت دی ہے۔ ایک کے حق میں وہ تعریف ہے اور دوسرے کے حق میں وہ برائی ہے۔ ایک کے حق میں نور اور دوسرے کے حق میں وہ آگ ہے۔ ایک کے حق میں وہ اچھی بات ہے اور دوسرے کے حق میں بری بات۔

ہم (ذات باری تعالٰی) پاکی اور ناپاکی، سستی اور چستی سے منزہ ہیں۔ میں نے لوگوں کو احکام اس لئے نہیں دیے کہ ان سے فائدہ اٹھاؤں بلکہ اس لئے دیے ہیں کہ ان کی بخشش کروں۔ ہندیوں کے لئے ہندی اسلوب ہیں جبکہ سندھیوں کے لئے سندھی اسلوب ہے۔ میں ان لوگوں کی تسبیح سے پاک نہیں بنتا ہوں بلکہ اس تسبیح سے یہ خود پاک بنتے ہیں۔ ہم ظاہر اور کلام کو نہیں دیکھتے بلکہ باطنی حالت اور دل کو دیکھتے ہیں۔ یہ منہ سے بولنا نہیں بلکہ میں تو سوز کو دیکھتا ہوں۔

اے انسان، اپنی جان کو عشق کی آگ سے روشن کر، غور و فکر اور عبادت کو اس آگ میں جلا ڈال۔ اے موسٰیؑ، آداب اور سلیقے جاننے والے دوسرے ہیں اور سوختہ جان اور سوختہ روح دوسرے ہیں۔ عاشقوں کا کام ہر وقت جلنا ہے۔ اجڑے ہوئے گاؤں سے کوئی عُشر کا مطالبہ کب کرتا ہے۔ اگر چرواہا غلط بات کہتا ہے تو اسے منع نہ کر۔ اگر شہید خون میں لتھڑا ہوا ہو تو اسے پانی نہ دو۔ کعبہ کے اندر قبلہ رو ہونے کا کیا مطلب۔ عشق کا مذہب تمام مذہبوں سے جدا ہے۔ عاشقوں کا مذہب اور دین بس اللہ تعالٰی ہے۔

اس وحی کے بعد موسٰیؑ جنگل کی طرف دوڑے تا کہ اس چرواہے کو تلاش کریں۔ حضرت موسٰیؑ جنگل میں دیوانہ وار دوڑ رہے تھے کہ جلدی اس چرواہے سے ملکر اس کو اللہ تعالٰی کا پیغام پہنچائیں کہ اس کی وہ دل سے نکلی ہوئی باتیں اللہ تعالٰی کے دربار میں مقبول ہیں اور

میں (موسیٰؑ) نے خواہ مخواہ اس کا دل توڑ دیا۔ آخر انہوں نے اسے ڈھونڈھ لیا اور فرمایا۔ مبارک ہو تمہارے لئے اجازت آگئی ہے۔ آداب اور ترتیب تلاش نہ کر جو تیرا صاف دل کہتا ہے، کہتا رہ۔ تیرا یہ کفر دین ہے اور اس دین سے تیری روح روشن ہے۔

اس پر اس چرواہے نے کہا اے موسیٰؑ اب میں اس چیز سے آگے گذر گیا ہوں۔ اب میں اپنے دل کے خون میں آلودہ ہوں۔ جب تو نے میرے گھوڑے کو چابک ماری تو وہ بجلی کی رفتار سے آسمان سے پار ہو گیا۔ یعنی تیری ڈانٹ ڈپٹ سے میرے سوزیدہ دل کو جب چوٹ لگی تو میرے تقرّب الٰہی میں مزید اضافہ ہوا اور اب میں ہر چیز سے بے نیاز ہو گیا ہوں۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ یہ سبق دیتے ہیں کہ اصل چیز خلوص، محبت، سوز اور عشق ہے۔ تمام مذہبی رسومات کو ان قلبی اور روحانی کیفیات کے زیر اثر ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات انسان کی تمام قسم کی عبادات سے بے نیاز ہے۔ یہ تمام عبادات بس انسان کے فائدے کے لئے ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ کو فائدہ پہنچانے کے لئے۔

8.14 منہ میں سانپ – عارضی تکلیف نقصان سے بچانے کے لئے ہوتی ہے

ایک آدمی درخت کے نیچے سو رہا تھا۔ ایک گھڑ سوار کا ادھر سے گذر ہوا۔ اس نے دیکھا کہ ایک سانپ اس سوئے ہوئے شخص کے منہ میں داخل ہو رہا ہے۔ سوار نے جلدی سے سانپ کو مارنے کی کوشش کی لیکن سانپ اس سوئے ہوئے آدمی کے منہ میں گھس گیا۔ سوار نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چابک کے کئی ضرب اس سونے والے کو لگائے۔

وہ بڑبڑا کے اٹھا اور سوار کو ہاتھ میں چابک پکڑے دیکھا۔ گھڑ سوار نے اس کا پیچھا کیا اور ایک درخت کے پاس اس کو آ لیا۔ وہاں درخت کے نیچے باسی سیب گرے ہوئے تھے۔ اس نے اس کو زبردستی سیب کھلانے شروع کیے۔ اس شخص کو یہ سب ناگوار گذر رہا تھا لیکن سوار کی چابک کے ڈر سے وہ سیب کھاتا رہا حتٰی کہ اسے الٹیاں لگ گئیں۔ الٹیاں کرنے سے سب سیب باہر آگئے اور اس کے ساتھ ہی سانپ بھی اس کے منہ سے باہر نکل آیا۔

اپنے منہ سے سانپ دیکھ کر وہ حیران ہو گیا۔ اب اس کے سامنے سارا معاملہ بدل گیا۔ تھوڑی دیر پہلے وہ گھڑ سوار کے چابک برداشت کرتے ہوئے دل ہی دل میں انتہائی نالاں تھا لیکن اب اس کے دل میں گھڑ سوار کی تعظیم جاگ اٹھی تھی۔ وہ اس سوار کو اپنا محافظ اور مسیحا سمجھ رہا تھا جس کے بغیر اس کی زندگی اس موزی سانپ سے ختم ہو جاتی۔ اس نے سوار سے عرض کی کہ آپ نے مجھے پہلے کیوں نہ بتا دیا کہ میرے منہ میں سانپ ہے تاکہ میں یہ سیب رغبت سے کھا لیتا۔ سوار نے کہا اگر میں تمہیں یہ بات پہلے بتا دیتا تو تو نے یقین ہی نہیں کرنا تھا اور اس میں تیری ہلاکت تھی۔ ہو سکتا ہے کہ تو اس سانپ کے ڈر سے ہی ہلاک ہو جاتا۔

نبی پاکؐ نے فرمایا ہے کہ اگر میں تم لوگوں کے اندر کے دشمن کے بارے میں بتا دوں تو بڑے بڑے بہادروں کے کلیجے منہ کو آ جائیں اور پِتے پھٹ جائیں۔ تم لوگ دنیا کے کام کاج سے رہ جاؤ، تمہارے تن بدن میں طاقت ختم ہو جائے۔ یعنی نبی پاکؐ نے محض اشارۃً کچھ باتیں بتائی ہیں اور ہم اپنے دشمن سے نبی پاکؐ کے فرمودات سے روشنی حاصل کر کے بچ سکتے ہیں۔ ایسے میں عبادت و ریاضت بعض اوقات اس چابک اور باسی سیبوں کی طرح ہے۔ لیکن یہ تکلیف بالاخر نجات کا باعث بنتی ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ یہ سبق دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو نقصان سے بچانے کے لئے اسے عارضی تکلیف اور آزمائش دیتا ہے۔ اس آزمائش سے صبر اور شکر کے ساتھ گذر جانا ابدی نجات کا باعث ہے۔

8.15 موسیٰؑ اور بچھڑے کا پُجاری – ازلی بد بختی

حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کے ایک بے وقوف اور وہمی آدمی سے کہا کہ تو نے مجھ سے ہزاروں معجزے دیکھے لیکن پھر بھی میری پیغمبری کے بارے میں شک ہی میں رہا، تو نے میرا حسن خلق دیکھا لیکن اس سب نے تیرے اندر شک کو ہی بڑھاوا دیا۔

میں نے سمندروں کو پھاڑ کر زمینی رستہ بنا دیا۔ تمہیں فرعون کی فوجوں سے بچایا۔ چالیس سال تک آسمان سے من و سلویٰ اُترا۔ میری دعا سے پتھر سے بارہ چشمے جاری ہوئے۔ میری لاٹھی نے سانپ بن کر جادوگروں کو زیر کر دیا۔ میری ہتھیلی سورج کی طرح چمکدار بنی۔ ایسے کئی معجزے دیکھ کر بھی تیرا وہم اور شک دور نہ ہوا۔

جب سامری نے سونے سے بچھڑا بنا کر اس میں جادو کے زور سے آواز پیدا کی تو تُو نے اس بچھڑے کو خدا مان لیا۔ ایسے میں تیرا اس بچھڑے پر پورا یقین ہو گیا اور تجھے ذرا سا بھی وہم اور شک نہ ہوا۔ تو سامری کی مکّاری سے مطمئن ہو گیا۔ تو نے سامری کے بچھڑے کے سامنے سجدہ کیا اور اللہ کے نور سے آنکھیں چرائیں۔ یہ صریحاً گمراہی اور جہالت ہے۔

تو نے مجھ سے کئی معجزے دیکھے لیکن کوئی کمینہ حق بات کو کب مانتا ہے۔ بے ہودوں کو بیہودہ بات ہی اچھی لگتی ہے اور لغو لوگوں کو لغو بات ہی پسند آتی ہے۔ بھیڑیا یوسفؑ سے کب عشق کرتا ہے، جب ابو بکر صدیقؓ نے محمدؐ کو دیکھا تو فوراً بول اٹھے کہ یہ سچے نبی ہیں لیکن ابو جہل نے شق القمر کا معجزہ دیکھ کر بھی آپ کی نبوّت کو قبول نہیں کیا۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ یہ سبق دیتے ہیں کہ کچھ لوگ ازلی طور بد بخت ہوتے ہیں اور ان میں حق کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ جبکہ اس کے مقابلے میں کچھ لوگ ازلی طور پر سعد اور خوش بخت ہوتے ہیں اور حق کی خوشبو کو دور سے پہنچانتے اور اسے قبول کرتے ہیں۔

8.16 موسیٰ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت – تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے

حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ اے موسیٰؑ میں بیمار تھا اور تو میری بیمار پُرسی کے لئے حاضر نہیں ہوا۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا یا اللہ تو پاک ہے اور تجھے بیماری کیسے لگ سکتی ہے۔ اے خدا یہ کیا راز ہے اس کو ظاہر کر دے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا ایک خاص برگزیدہ بندہ بیمار ہوا اور وہ میں ہی ہوں۔ اس کی بیماری میری بیماری ہے اور اس کی معذوری میری معذوری ہے۔ جو خدا کی ہمنشینی چاہتا ہے اسے چاہیے کہ اللہ کے برگزیدہ اولیاء کے پاس بیٹھے۔ اگر وہ اولیاء کے پاس حاضر نہیں ہو گا تو نقصان میں ہو گا کیونکہ جزو کُل کے ساتھ ہی اچھا لگتا ہے۔ شیطان جب کسی کو اولیاء سے کٹا ہوا دیکھتا ہے تو اس کو بے سہارا سمجھ کر اس پر حملہ آور ہو جاتا ہے۔ جماعت سے دوری شیطان سے نزدیکی کا باعث بنتی ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ انسان کی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس میں تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور کسی ایک انسان کی خدمت کرنا ایسا ہی جیسے اس انسان کے خالق کی خدمت کی جائے۔ اور پھر اللہ کے خاص بندوں کی خدمت انسان کے درجات میں بلندی کا باعث بنتی ہے۔ ایسی صحبت انسان کو شیطان کے حملوں سے محفوظ کر کے رحمان کی صحبت میں لے آتی ہے۔

8.17 دیوانہ اور بچوں کا کھیل – جسم اور روح کی مطابقت اہم چیز ہے

ایک شخص کہہ رہا تھا کے مجھے کسی عقلمند کی تلاش ہے تا کہ اس سے اپنی مشکل پر مشورہ کر سکوں۔ ایک آدمی نے اسے کہا ہمارے شہر میں اس دیوانے سے زیادہ کوئی عقل مند نہیں جو سارا دن کبھی لکڑی کا گھوڑا بنا کر اور کبھی گیند سے بچوں کے ساتھ گلی میں کھیلتا رہتا ہے۔ وہ نہایت اعلیٰ مرتبے والا بزرگ ہے۔ جو اس دیوانگی میں چھپا ہوا ہے۔ وہ صاحب رائے ہے، آسمان کے رتبے والا، ستاروں کا سوار ہے۔ اس کی شان و شوکت فرشتوں کو جانفزا کرتی ہے۔

لیکن ہر دیوانہ ایسا نہیں ہوتا۔ سامری کی طرح بچھڑے کے آگے ماتھا نہیں ٹیکنا چاہیے۔ ہر کسی میں وہ فہم اور سمجھ نہیں ہوتی کہ جب ولی جنون کے پردے میں چلا جائے تو اس کو پہچان سکے۔ عقل کے ذریعے کوئی اسے نہیں پہچان سکتا۔ خصوصاً جب ولی نے اپنے آپ کو دیوانہ بنا لیا ہو۔ اگر نابینے کا سامان چور لے جائے تو وہ چور کو کب پہچان سکتا ہے۔ ایسے ہی عام لوگ محض عقل کے سہارے اللہ کے ولی کی پہچان نہیں رکھتے۔

اس آدمی نے اس شخص سے کہا کہ تھوڑی دیر کے لئے اس دیوانے کو میری طرف موڑ دے میں اس سے کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں۔ دیوانے نے لکڑی کا گھوڑا اس کی طرف بھگایا اور کہا جلدی سوال کر کہیں میرا گھوڑا تجھے دولتی نہ مار دے۔ اس شخص نے کہا کے میں ایک عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ مجھ جیسے کے لئے کونسی عورت مناسب رہے گی۔ دیوانے نے کہا دنیا میں تین قسم کی عورتیں ہیں۔ ایک سے جب تو نکاح کرے گا تو وہ پوری تیری ہو گی، دوسری آدھی تیری ہو گی اور تیسری بالکل بھی تیری نہ ہو گی۔

یہ کہہ کر وہ دیوانہ ولی وہاں سے ہٹنے لگا۔ اس پر اس شخص نے آواز لگائی از راہ کرم اس بات کی تفصیل تو بتاتے جایئے۔ انہوں نے لکڑی کا گھوڑا واپس اس کی طرف بھگایا اور کہا

کہ کنواری ساری تیری ہو گی۔ بیوہ بغیر بچوں والی آدھی تیری ہو گی اور بیوہ بچوں والی بالکل بھی تیری نہیں ہو گی۔ یہ کہہ کر وہ واپس بچوں کی طرف دوڑ گئے۔

اس نے پھر آواز لگائی ازارہ کرم ایک اور سوال کا جواب بتائیے کہ اتنی عقل اور معرفت کے ہوتے ہوئے آپ یہ دیوانوں کے بھیس میں بچوں کے ساتھ گلیوں میں کھیل رہے ہیں یہ سب کیا ہے، انہوں نے فرمایا میرا خریدار اللہ ہے اور اس نے مجھے خرید لیا ہے۔ اس شہر کے لوگ سمجھتے ہیں کہ مجھ جیسے صاحب فن کو اس شہر کا قاضی ہونا چاہیے۔ اس مجبوری میں پاگل اور دیوانہ ہو گیا ہوں۔ عاجز آکر ان لوگوں سے دیوانہ ہو گیا ہوں میں بظاہر دیوانہ ہوں لیکن درحقیقت وہی ہوں جو کہ اصل میں تھا۔

خلاصہ

اس حکایت میں عورت سے شادی سے مراد جسم اور روح کی مطابقت ہے۔ کنواری، بیوہ بغیر بچوں والی اور بچوں والی بیوہ کے ساتھ شادی جسم اور روح کی مطابقت کے درجوں کی بات ہے۔ اس بات کو اس سے زیادہ کھولا نہیں جا سکتا۔

8.18 خیر اور شر - اللہ تعالیٰ سب نقشوں کا پیدا کرنے والا ہے

ایک نقاش نے دو قسم کے نقش بنائے۔ اچھے نقش اور بُرے نقش۔ حضرت یوسفؑ جیسا خوبصورت نقش بنایا اور شیطان جیسا بُرا نقش بھی بنایا۔ یہ دونوں نقش اس کی مہارت کا ثبوت ہیں۔ اچھا نقش اور بُرا نقش یہ دونوں اس کی حکمت ہے۔

وہ خوبصورت کو بے انتہا خوبصورت بناتا ہے کہ دنیا کے لوگوں کے حواس اس سے لطف اٹھاتے ہیں اور بدصورت کو انتہائی بدصورت بناتا ہے۔ اگر وہ بدصورت کو پیدا نہ کرے تو اس کے کمال میں نقص آجائے۔ وہ کافر اور مومن دونوں کو پیدا کرتا ہے۔ کفر اور ایمان دونوں اس کی خدائی پر گواہ اور اس کے آگے سجدہ ریز ہیں۔

لیکن مومن خوشی سے سجدہ کرتا ہے۔ کیونکہ وہ راضی بالرضا ہوتا ہے اور اپنے ارادے میں سچا ہوتا ہے۔ کافر بھی جبراً خدا پرست ہے لیکن وہ اپنے ارادے میں سچا نہیں ہے۔ کافر اس نیت سے قلعہ تعمیر کرتا ہے کہ آخر میں وہ شاہ کی جگہ خود اس قلعے میں شاہ بن کے بیٹھ جائے۔ وہ دراصل باغی ہے اور کوشش کرتا ہے کہ قلعہ اس کا ہو جائے لیکن انجام کار قلعہ شاہ کا ہی ہوتا ہے۔ اس کے برعکس مومن وہ قلعہ بادشاہ کے لئے ہی تعمیر کرتا ہے۔ اس کی نیت اور ارادہ سچے ہوتے ہیں۔ وہ خود کو بادشاہ کا بندہ ہی گردانتا ہے۔

بدصورت کہتا ہے اے بادشاہ تو اچھے اور بُرے کو پیدا کرنے پر قادر ہے۔ خوبصورت کہتا ہے اے بادشاہِ حُسن و جمال تو نے مجھے ہر طرح کے عیب سے پاک کر دیا ہے۔ الغرض اس نے جو چاہا کیا، اچھے اور بُرے پیدا کیے، کانٹے اور پھول بنائے۔ وہ سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اچھے اور بُرے سب نقشوں کا پیدا کرنے والا ہے اور سب اس کے آگے سجدہ ریز ہیں۔ اچھے نقوش کے حاملین کو اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہونا چاہیے کہ انہیں یہ نعمت اور سعادت حاصل ہے۔ ورنہ یہ ان کے بس میں نہیں تھا کہ وہ اپنا مقام ایمان والوں میں بناتے یا پھر ان کا شمار کفار میں ہو جاتا۔

8.19 معزول وزیر - بعض گناہ مقام سے گرا دیتے ہیں

ایک بادشاہ نے اپنے وزیر کو معطل کر کے اسے ایک علاقے کا کوتوال مقرّر کر دیا۔

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ ایک بادشاہ وزیر کو سپاہی بنا دے تو اس کا مطلب ہے کہ بادشاہ اس کا دوست نہیں بلکہ دشمن ہے کوئی بھی تبدیلی بغیر وجہ کے نہیں ہوتی۔ اس وزیر سے ضرور کوئی خطا ہوئی ہوگی۔

اگر کوئی پہلے سے ہی سپاہی ہو تو یہ اس کے حق میں عام سی بات ہے لیکن اگر کوئی پہلے سے بادشاہ کا وزیر ہو اور پھر اسے سپاہی بنا دیا جائے تو یہ کسی بُرے عمل کی وجہ سے ہے۔ بادشاہ نے تجھے چوکھٹ پر بلا کر پھر واپس کر دیا تو یقین کر لے کہ تو نے ضرور کوئی غلطی کی ہے۔ تو تقدیر کی غلط تعبیر کرتا ہے کہ تیرے نصیب میں ہی ایسے لکھا تھا۔ اگر یہ دولت تیرے نصیب میں نہ تھی تو پھر یہ کل تمہیں کیوں حاصل تھی۔ تو نے نادانی سے اپنے حصّے کو منقطع کر دیا جبکہ عقلمند تو اپنے حصّے کو بڑھاتے ہیں۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ یہ سبق دیتے ہیں کہ انسان سے سرزد ہوئی بعض خطائیں اس کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک حاصل مقام سے نیچے گرا دیتی ہیں۔ ایسے تنزّل کو اپنی خطا کے حوالے سے دیکھنا چاہیے نہ کہ تقدیر کے جبر کے حوالے سے۔

8.20 کھرا اور کھوٹا – حق اور باطل بعض اوقات خلط ملط ہیں

فلسفی مسائل کی اپنے انداز سے شرح کرتا ہے اور ایک متکلّم اس کی اس شرح پر جرح کرتا ہے۔ یہ دونوں آپس میں اختلاف رکھتے ہیں اور صوفی ان دونوں کو طعنہ دیتا ہے اور مسائل کو ایک اور نظر سے دیکھتا ہے۔ ہر ایک اپنے اپنے مطمع نظر سے بات کرتا ہے۔ نہ یہ تمام لوگ حق پر ہیں اور نہ ہی تمام گمراہ ہیں۔

اس دنیا میں حق کے بغیر باطل واضح نہیں ہوتا۔ یہاں کھوٹے سِکّے موجود ہیں اور اسی وجہ سے کھوٹوں کی پہچان ہوتی ہے چونکہ سچ موجود ہے اسی لئے جھوٹ بھی فروغ پاتا ہے۔

زہر کو تب ہی کھاتے ہیں جب وہ شکر میں ملا دیا جاتا ہے۔

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دنیا میں سب دین باطل ہیں لیکن حق کی خوشبو کی وجہ سے باطل بھی خود کو حق کی صورت میں پیش کرتا ہے سب وہم گمراہی نہیں ہوتا بلکہ وہم بھی حقیقت کا روپ دھارے ہوتا ہے۔ تمام راتیں شب قدر نہیں ہوتیں لیکن سب راتیں اس سے خالی بھی نہیں ہوتیں۔ حق شبقدر کی طرح ہے تاکہ ہماری جان یہ رات کو کھوج کر اسے تلاش کرے۔ اگر دنیا میں عیب دار چیزیں نہ ہوں تو ہر بے وقوف کامیاب تاجر بن جائے۔ جو کہے کہ سب حق ہے وہ بے وقوف ہے اور جو کہے کہ سب باطل ہے وہ بدبخت ہے۔

خلاصہ

اس مضمون میں حضرت مولانا رومیؒ یہ سبق دیتے ہیں کہ اس دنیا میں حق اور باطل خلط ملط ہیں نہ تو سب کچھ حق ہے اور نہ ہی سب کچھ باطل ہے۔ یہ اختلاف اس لئے ہے کہ حق کو باطل سے علیحدہ کر کے دیکھنے اور اپنانے کی کوشش ہمارے قلب و روح کی ترقی اور تزکیے کا باعث بنتی رہے اور ہمارے درجات عند اللہ بلند ہوتے رہیں۔

8.21 درویش کی کرامت ۔ کچھ لوگ ابدی ناقص ہیں

حج کے راستے میں ایک صحرا پڑتا تھا۔ جب کچھ حاجی حج کے لئے سفر کرتے ہوئے اس صحرا میں پہنچے تو انہوں نے ایک زاہد درویش کو دیکھا جو بیابان صحرا میں تپتی ہوئی ریت پر کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ حاجی اس درویش کو اتنی گرمی میں اس تپتے ہوئے صحرا میں یوں اکیلے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ ایسی ریت پر نماز کے لئے کھڑے ہونا جس کی گرمی سے دیگ کا پانی بھی ابل پڑے بڑی حیرت کی بات تھی۔

حاجی ایک طرف کھڑے ہوگئے اور انتظار کرنے لگے کہ یہ درویش نماز سے فارغ ہو تو اس سے اس کے احوال پوچھیں۔ جب وہ درویش نماز سے باہر آیا تو حاجیوں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھوں اور چہرے سے پانی ٹپک رہا ہے اور اس کے کپڑوں پر بھی وضو کے پانی کے اثرات تھے۔ انہوں نے پوچھا تجھے پانی کہاں سے ملا۔ درویش نے اوپر کی طرف اشارہ کرکے بتایا کہ آسمان سے، جب بھی چاہتا ہوں مل جاتا ہے۔ بغیر کنویں کے اور بغیر رسی کے۔ حاجیوں نے کہا اے اللہ کے ولی یہ راز ہم پر بھی کھول دے تاکہ ہم بھی اپنی کمر سے باندھے ہوئے زنار توڑ دیں اور ایمان ویقین کی دولت سے سرفراز ہوں۔

درویش نے آسمان کی طرف نظر کی اور فرمایا اے اللہ ان حاجیوں کی دعا قبول فرما۔ میں عالم بالا سے رزق لینے کا عادی ہوں۔ انہیں بھی عالم بالا سے رزق لینے والا بنا۔ اتنے میں جھٹ سے بادل اُمڈ کے آئے اور صحرا میں زور کی بارش ہوگئی۔ صحرا میں عجیب وغریب کرشمہ ظاہر ہوا۔ یہ حالت دیکھ کر حاجیوں کی ایک جماعت نے اپنے زنار کاٹ دیے اور ایمان ویقین کی دولت سے سرفراز ہوگئے۔ لیکن کچھ حاجی متاثر نہ ہوئے کیونکہ وہ کچے اور کھٹے تھے یہ لوگ ابدی ناقص تھے۔ بات ختم ہوئی۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ یہ سبق دیتے ہیں کہ کچھ لوگ ابدی ناقص بھی ہوتے ہیں۔ انہیں کوئی بھی نشانی دکھائی جائے یہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے نصیب میں ہدایت نہیں ہوتی۔

8.22 یحییٰؑ اور عیسیٰؑ – چیزوں کے حقائق غیر زمانی بھی ہوتے ہیں

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ جب ان کو لے کر حاملہ تھیں اور حضرت مریمؑ کے روبرو بیٹھی تھیں تو انہوں نے حضرت مریمؑ سے کہا مجھے یقین ہے کہ آپ کے پیٹ میں ایک شاہ ہے جو بہت بڑے درجے کا حامل ہے اور اللہ کا رسول ہے۔

جب میں آپ کے اوپر آئی تو مجھے محسوس ہوا کہ جیسے میرے پیٹ کے بچے نے آپ کے پیٹ کے بچے کو سجدہ کیا ہے۔ حضرت مریمؑ نے اس پر ان سے کہا میں نے بھی محسوس کیا ہے کہ میرے پیٹ کے بچے نے سجدہ کیا ہے۔

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہے کہ بے وقوف کہتے ہیں کہ اس قصے پر لکیر پھیر دے۔ حضرت مریمؑ تو حمل کے وقت شہر سے دور تھیں۔ وہ اپنوں اور بیگانوں سے دور تھیں۔ جب تک حضرت عیسیٰؑ کی ولادت نہ ہوئی وہ شہر میں آئی ہی نہیں۔ ایسے میں ان کی حضرت یحییٰؑ کی والدہ سے ملاقات کب ہو سکتی ہے۔

اس بات کو صرف صاحب دل ہی سمجھ سکتے۔ غائب کی دنیا، اہل دل کے سامنے حاضر ہوتی ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ جو دور ہیں وہ حضرت مریمؑ کے سامنے حاضر ہیں۔ اور اگر حضرت مریمؑ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ کو ظاہر اور باطن دونوں میں نہ دیکھا ہو تو تب تُو اس قصّہ سے نتیجہ اخذ کر۔ کیا تو نے کلیلہ اور رمنہ کے قصّے نہیں سنے۔ اور اس قصّے سے نتیجے نہیں نکالے۔ عقلمند انسان دانے کی طرح معنی کو چنتا ہے۔ وہ برتن کو نہیں بلکہ اس کے اندر موجود کھانے کو کھاتا ہے۔

خلاصہ

اس حکایت میں حضرت مولانا رومیؒ پھر پوری قوت سے ہمیں الفاظ سے آگے بڑھ کر معنی کو سمجھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ کسی مثال کے کرداروں سے آگے بڑھ اس میں موجود حکمت کو اچک لینے کا سبق دیتے ہیں۔ چیزوں کے یا واقعات کے ظاہری زمانی پہلوؤں سے آگے ان کے باطنی غیر زمانی پہلوؤں کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

چند اصطلاحات کے معانی

ولی اللہ

اللہ تعالیٰ کے دوست کو ولی اللہ کہتے ہیں۔ ایسا آدمی صاف دل اور خلوص نیّت کا حامل ہوتا ہے۔ وہ شرم اور حیاء کا پیکر ہوتا ہے۔ سنجیدہ اور عاجزی اختیار کرنے والا ہوتا ہے۔ وہ کسی کو ایذا نہیں پہنچاتا لیکن اس کو ایذاء پہنچانے والے کے خلاف رحمٰن کی فوجیں ردّعمل کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ اللہ کے دوست کو کسی مخصوص لباس، کلچر یا قوم سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ کے ولی کی پہچان اس کی صحبت اختیار کرنے یا پھر اس کی تعلیمات سے ہوتی ہے۔

جسم

جسم سے مراد انسان کا حیوانی جسم ہے اور اس جسم سے جڑی ہوئی شہوات اور احتیاجات ہیں۔ انسان کا ذہن بھی جب تک کہ وہ عقل خالص تک نہ پہنچ جائے جسمانی اعضاء اور حواس کی گرفت میں ہی رہتا ہے۔ زمینی یا دنیاوی زندگی کی طرف میلان رکھنے والے مقاصد اور خواہشات بھی جسم کی کیٹیگری میں ہی آتے ہیں۔

روح

کسی انسان کی روح سے مراد اس کی وہ شخصیت ہے جو جسم کے ساتھ رہنے کے باوجود خود کو جسم سے ممتاز کرتی ہے۔ مولانا رومیؒ روح کو اخروٹ کے اندر کے مغز یا پھر انار کے اندر کے دانوں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ انسان اپنی انفرادی روح کو رحمٰن کے نور سے مزید ترقّی اور شیطان کی فوجوں کے زیر اثر مزید تنزّلی کا شکار بھی کر سکتا ہے۔

نفس

نفس سے مراد اس دنیا میں انسان کے جسم اور روح کے ساتھ مرکّب شخصیت ہے۔ اگر اس کا میلان بہت زیادہ نچلے درجے کی خواہشوں اور ادنیٰ مقاصد کی طرف ہوتا ہے تو ایسے میں یہ ایک گھٹیا نفس ہے۔ لیکن اگر اسکا میلان اعلیٰ درجے کے مقاصد اور نور الٰہی کی طرف ہوتا ہے تو ایسے میں ایک اعلیٰ نفس قرار پاتا ہے۔ ایک اعلیٰ نفس ہی جسم کی موت کے بعد ایک اعلیٰ روح کو جنم دیتا ہے۔

قلب

قلب کا مقام روح کے اندر ایسا ہے جیسے دماغ کا مقام جسم کے اندر۔ جیسے ہم دماغ سے سوچتے اور پھر اس کے زیر اثر کام کرتے ہیں ایسے ہی قلبی کیفیت روح کی ترقی اور رفتار کا تعیّن کرتی ہے۔

مثنوی مولانا رومیؒ سے منتخب فارسی اشعار بمعہ اردو ترجمہ

1. **بشنواز نے چوں حکایت می کند** — **وز جدائیہا شکایت می کند**
بانسری سے سنو، کیا حکایت بیان کرتی ہے — اور وہ جدائیوں کی کیا شکایت کرتی ہے

2. **ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد** — **اوز حرص و عیب کُلّی پاک شد**
جس کا جامہ عشق نے چاک کر دیا — وہ ہر طرح کے حرص و عیب سے پاک ہو گیا

3. **یک سرِ انگشت پردۂ ماہ شد** — **وین نشانِ ساتری شاہ شد**
انگلی کے ایک پوٹے سے چاند چھپ جاتا ہے — ایسے ہی لوگوں سے اس کائنات کا بادشاہ پوشیدہ ہے

4. **جامہ شوئی کرد خواہی اے فلاں** — **رو مگرداں از محلۂ گازراں**
اے فلاں اگر تو نے کپڑے دھلوانے ہیں — تو دھوبیوں کے محلے سے منہ نہ موڑ

5. **ہیچ نامے بے حقیقت دیدۂ** — **یا ز گاف و لام گُل، گل چیدۂ**
کیا تو نے کبھی کوئی بے حقیقت دیکھا ہے — کیا محض گُل کے گاف اور لام سے پھول چنے جا سکتے ہیں

اسم خواندی رو، مسمّٰی را بجُو — **مہ بیالا داں نہ اندر آب جُو**
تو نے کبھی نام کو پڑھا ہے — چاند کو اوپر آسمان میں سمجھ نہ کہ نیچے نہر میں
اب جا اور اس نام والے کو تلاش کر

6. **طاعت عاماں گناہِ خاصگاں**
وصلت عامہ حجاب خاص داں

عام لوگوں کی اطاعت خاص لوگوں
کے نزدیک گناہ کی طرح ہے
عام لوگوں کا وصل، خاص لوگوں
کے لئے حجاب کی طرح ہے۔

7. **جان ابراہیم باید تا بنور**
بیند اندر نار فردوس و قصور

ابراہیم کی طرح کی روح چاہیے تا کہ نور سے
آگ کے اندر جنت کے باغ نظر آئیں

8. **بار بازرگاں چو در آب اوفتد**
دست اندر کالہٗ بہتر زند

جب تاجروں کا سامان پانی میں ڈوب جاتا ہے
تو وہ صرف قیمتی چیز کو ہاتھ ڈالتے ہیں

کشتی مالش بغرقاب اوفتد
ہر چہ نازل تر بدریا افگند

اگر مال سے بھری کشتی ڈوبنے لگتی ہے
تو حقیر مال کو دریا میں پھینکتے ہیں

چونکہ چیزے فوت خواہد شد درآب
ترک کمتر گوئی و بہتر را بیاب

چونکہ کوئی نہ کوئی چیز تو لازماً ضائع ہونی ہے
تو کمتر کو پھینک اور بہتر کو اپنے پاس رکھ

9. **عقل با حس زیں طلسمات دو رنگ**
چوں محمد با ابوجہلاں بجنگ

اس دورنگی طلسم میں عقل خالص حواس کے ساتھ
ایسے جنگ میں ہے جیسے محمدؐ ابوجہلوں کے ساتھ

10. **گر ترازو را طمع بودے بمال**
راست کے گفتے ترازو وصف حال

اگر ترازو خود مال کی طمع رکھتا ہو
تو ایسا ترازو کب صحیح وزن بتائے گا

11. **ہر کہ از دیدار برخوردار شد**
ایں جہاں در چشم او مردار شد

جس کسی کو اس کا دیدار نصیب ہو گیا
تو یہ جہاں اس کی آنکھوں میں مردار دکھائی دیتا ہے

12. **ہیچ کنجے بے ددو بے دام نیست   جز بخلوت گاہ حق آرام نیست**
کوئی گوشہ درندوں سے خالی نہیں   حق تعالیٰ کی خلوت میں آنا ہی آرام پانا ہے

13. **آن زماں کیں جانِ حیوانی نماند   جان باقی بایدت ہر جانشاند**
جب یہ حیوانی جان باقی نہ رہے   تو پھر انسان کو روح چاہیے جو اس کی جگہ لے

14. **سجدہ نتواں کرد بر آب حیات   تا نیابی زیں تن خاکی نجات**
اس وقت تک آب حیات سے استفادہ نہیں ہوتا   جب تک اس تن خاکی سے نجات نہ مل جائے

15. **گاؤ نفس خویش رازوتر بکش   تا شود روح خفی زندہ بُہش**
اپنی نفس کی گائے کو جلدی ذبح کردو   تا کہ تمہاری چھپی ہوئی روح زندہ ہو جائے

16. **بندگانِ خاص علام الغیوب   در جہانِ جاں جواسیس القلوب**
اللہ کے خاص بندے غیب کو خوب جاننے والے ہیں   وہ قلب اور روح کی دنیا کے جاسوس ہیں

17. **در تن گنجشک چہ بود برگ وساز   کہ بود پوشیدہ آں بر عقلِ باز**
چڑیا میں کونسی ایسی خاص بات ہے   جو باز کی عقل سے پوشیدہ رہے

18. **آں کہ ہر افلاک رفتارش بود   بر زمین رفتن چہ دشوارش بود**
جس کی سیر آسمانوں میں ہوتی ہے   اس کے لئے زمین پر چلنا کیا دشوار ہو گا

19. در درون کعبہ رسم قبلہ نیست **چہ غم ار غواص راپاچپلہ نیست**
کعبہ کے اندر کعبہ رو ہونے کی رسم نہیں تیراک کے پاؤں میں جوتے ہونے ضروری نہیں

20. ہر دلے راسجدہ ہم دستور نیست **مز در حمت قسمت ہر مز دور نیست**
ہر دل کو سجدہ کرنے کی توفیق نہیں ہوتی ہر کوئی اپنی ازلی حیثیت میں رحمت کا حقدار نہیں

21. موسیا آداب داناں دیگر اند **سوختہ جان ورواناں دیگر اند**
اے موسیٰ اہل علم کے آداب اور ہیں اور یہ سوختہ جان اور سوختہ روح لوگ اور ہیں

22. روح از انگورے رادیدہ است **روح از معدوم شئ رادیدہ است**
روح نے انگور کے اندر سے شراب دیکھی ہوئی ہے روح نے عدم کے اندر شئ کا ظہور دیکھا ہوا ہے

23. بود انا الحق در لب منصور نور **بود انا اللہ در لب فرعون زور**
منصور کے لب پر انا الحق کا نعرہ نور تھا جبکہ فرعون کے لب پر انا اللہ کا نعرہ جھوٹ تھا

24. خوئے کاں باشیر رفت اندر وجود **کے تواں اور راز مردم واکشود**
جو عادت ماں کے دودھ سے منتقل ہوئی اسے آدمی سے کیسے نکالا جا سکتا ہے

25. رفع کن از مغزواز بینی زکام **تاکہ مر تح اللہ آید در شام**
تو اپنے زکام کا علاج کر تاکہ تو اللہ کی خوشبو سونگھے

26. پاک کن دو چشم را از موئے عیب
تو اپنی دو آنکھوں کے آگے سے بال ہٹا
تا بہ بینی باغ و سروستانِ غیب
تا کہ تجھے غیب کے باغ نظر آئیں

27. پنبہ وسواس بیرون کن ز گوش
تو اپنے کانوں سے وسوسوں کی روئی نکال
تا بگوشت آید از گردون خروش
تا کہ تیرے کانوں میں غیب سے آواز آئے

28. مسجد کان اندرون اولیاست
جو مسجد اولیا کے دل کے اندر ہے
سجدہ گاہ جملہ است آنجا خدا است
وہ سب کی سجدہ گاہ ہے اور وہاں خدا ہے

29. تا دل مرد خدا نامد بہ درد
جب تک اس کے خاص بندوں کا دل نہ دکھایا
ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد
اس وقت اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو رسوا نہ کیا

30. ایں جہاں دریاست تن ماہی و روح
یہ جہاں دریا کی طرح، جسم مچھلی کی طرح
یونس محجوب از نور صبوح
اور روح یونس کی طرح مچھلی کے پیٹ میں ہے
گر مسبّح شد نو از ماہی رہید
اگر تو تسبیح کرنے والا ہے تو مچھلی سے رہائی پائے گا
ورنہ در وے ہضم گشت و ناپدید
ورنہ اس کے پیٹ میں ہضم ہو کر غائب ہو جائے گا

31. واصلاں را نیست جز چشم و چراغ
واصلانِ حق کھلی آنکھ سے دیکھتے ہیں
از دلیل راہ شاں باشد فراغ
ان کو رستے کے بارے میں دلائل کی ضرورت نہیں

32. **بہر طفل نو پدر تی تی کند**
گرچہ عقلش ہندسہ گیتی کند
باپ چھوٹے بچے کے سامنے تتلاتا ہے
ورنہ اس کی عقل دنیا بھر کو سمجھتی ہے

33. **حوض با دریا اگر پہلو زند**
خویش را از بیخ ہستی بر کند
اگر کوئی پانی کا حوض دریا سے مقابلہ کرے
تو اس کی ہستی جڑ سے اکھڑ جائے گی

34. **خدمتِ اکسیر کن مس وار تو**
جور می کش اے دل از دلدار تو
تو تانبے کی طرح اکسیر کی خدمت کر
اے دل تو دلدار کی طرف سے سختی برداشت کر

35. **موسیا بسیار گوئی خیز و رو**
ورنہ با من گنگ باش و کور شو
اے موسیٰ تو بہت بولتا ہے اٹھ اور جا
ورنہ میرے سامنے گونگا اور اندھا بن کے رہ

36. **زید و عمرو از بہر اعراب ست و ساز**
گر دروغ است آں تو با اعراب ساز
زید اور عمر کی مثال اعراب سمجھانے کے لئے ہے
اگر زید اور عمر کی لڑائی نہ بھی ہوئی ہو تو تُو اسے بس اعراب کے لئے سمجھ

37. **تو چہ دانی بانگ مرغاں را ہمے**
چوں ندیدستی سلیماں را دمے
تو پرندوں کی بولی کب جانتا ہے
تونے تو کبھی سلیمان کو دیکھا ہی نہیں
مرغ کو بے ایں سلیماں می دود
عاشق ظلمت چو خفاشے بود
جو مرغ سلیمان کے بغیر پھرتا ہے
وہ چمگاڈر کی طرح اندھیروں کا عاشق بن جاتا ہے

38. وانکہ لنگ ولوک آں سو می جہی
اگر تو اس کی طرف لنگڑا لولا چلے گا

از ہمہ لنگی ولوکی میرہی
تو ایک دن اس لنگڑے اور لولے پن سے نجات پائے گا

39. نے حریف ہر کہ از یارے برید
بانسری ہر اس کی ساتھی ہے جو یار سے کٹا ہو

پردہایش ہر دپائے مادرید
اس کے سروں نے ہماری ذات کے اوپر پڑے پردے پھاڑ دیے ہیں

40. آدمی دیدست باقی پوست است
آدمی تو محض دید کا نام ہے باقی سب تو گوشت ہے

دید آں باشد کہ دید دوست است
اور دید وہ ہوتی ہے جو دوست کی دید ہو

دار الحکمت الخالدیہ کی شائع شدہ کتب

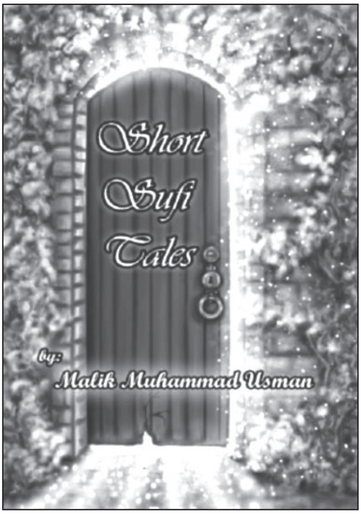
Short
Sufi
Tales
by:
Malik Muhammad Usman

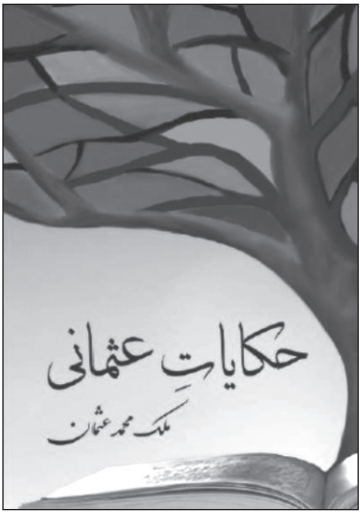
حکایاتِ عثمانی
ملک محمد عثمان

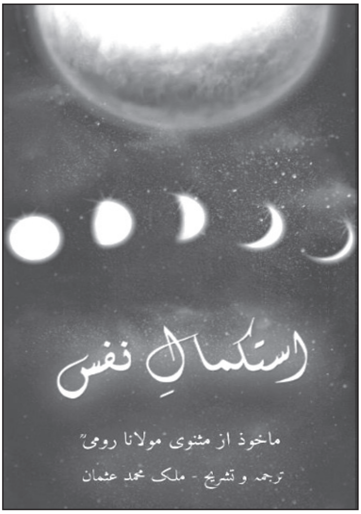
استکمالِ نفس
ماخوذ از مثنوی مولانا رومیؒ
ترجمہ و تشریح - ملک محمد عثمان

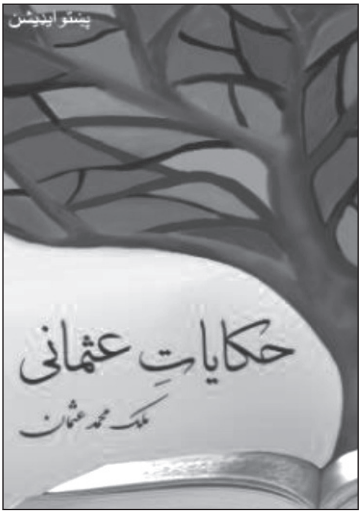
پشتو ایڈیشن
حکایاتِ عثمانی
ملک محمد عثمان

دار الحکمت الخالدیہ کی شائع شدہ کتب

سماواتِ نفس

ماخوذ من الکتاب الانسان الکامل للشیخ عبدالکریم الجیلی

ترجمہ و تسہیل

ملک محمد عثمان

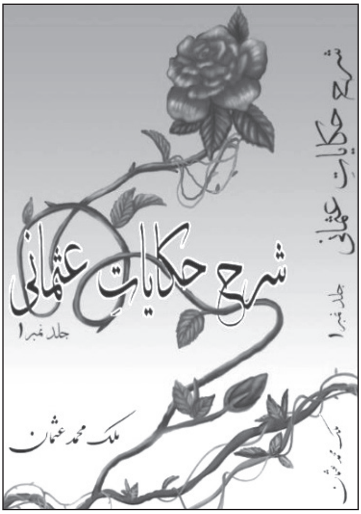

شرحِ حکایاتِ عثمانی

جلد نمبر ۱

ملک محمد عثمان

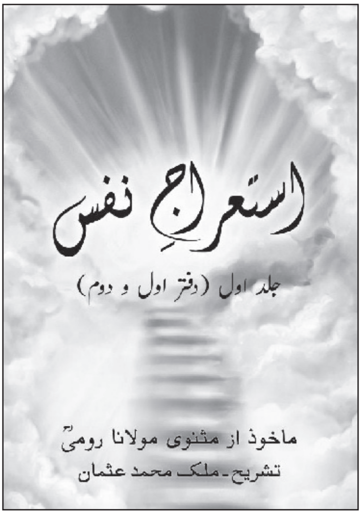

استعراجِ نفس

جلد اول (دفتر اول و دوم)

ماخوذ از مثنوی مولانا رومیؒ

تشریح۔ ملک محمد عثمان

دار الحکمہ الخالدیہ - پاکستان

ISBN 978-627-7523-07-7